1433

دنیا کی حور

دُنیا کی حُور

از

کوثر چاندپوری

دنیا کی حور

ایک بہترین اور دلچسپ معاشرتی افسانہ

از

کوثر چاندپوری

باہتمام و تصحیح

محمد عبدالباقی خلف علامہ آسی لکھنوی

اصح المطابع آسی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی

بار اول — اگست سنہ ۱۹۳۰ء — قیمت ۱۰ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا کی حور

(۱)

خجستہ نے اختر کے گھر میں آکر پہلی مرتبہ گھونگھٹ کھولا تو اسکی حالت خفقانیوں کی سی ہوگئی، چھوٹا سا سفالہ پوش مکان، مختصر سا صحن، ایک تنگ کمرہ، پھر قریب ہی سر پر پاخانہ، کہ پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لی جائیں تو معلوم ہو کہ بیت الخلا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بھلا ایسے مکان میں خجستہ کا جی لگتا تو کیونکر؟ وہ محل کی رہنے والی صاف اور کشادہ کمروں میں سونے کی عادی، جہاں برقی قمقموں کی جگمگاہٹ سے رات میں بھی دن کا لطف آتا تھا،

وہ آنے کو تو اختر کے ساتھ آگئی مگر گھر کو دیکھتے ہی اسکی وہ تمنائیں جو اس نے اپنی ازدواجی زندگی کے اُن قیمتی ایام سے وابستہ کی تھیں جن میں خجستہ کے جذباتِ نو عروسی کا اختر کے علاوہ کوئی حریف نہ ہو، سب خون ہو کر رہ گئیں۔

اس سے قبل جب اس نے اختر سے مکان کے متعلق سوال کیا تھا تو اختر نے معمولی طور پر کہدیا تھا کہ پردیس میں حسب دلخواہ مکان ملنا تو دشوار ہے، ضرورت کے موافق مختصر سا ایک گھر کرایہ پر لے رکھا ہے لیکن "مختصر سے گھر" کا یہ مفہوم خجستہ کے دماغ میں نہ تھا بلکہ وہ اس اعتبار سے مختصر مکان کو اچھا سمجھتی تھی کہ تنہائی کے دن چھوٹے مکانوں میں اچھی طرح گذر جاتے ہیں، بڑے مکانوں میں اکیلا آدمی ویسے بھی گھبرا جاتا ہے۔

خجستہ، ماتھے میں بل ڈالکر اور آنکھوں میں آنسو بھر کر ایک ٹوٹی سی چارپائی پر جا بیٹھی،

یوں تو باپ کے گھر کو خجستہ نے کبھی اپنا اصل گھر نہ سمجھا وہ ہمیشہ ایک سمجھدار لڑکی کی طرح اسے ایک عارضی قیامگاہ تصور کرتی رہی، اسی طرح شادی سے قبل اس نے اپنی موجودہ زندگی کو اس رات کی برابر سمجھا جس کے بعد سفیدۂ صبح کا نمودار ہونا لازمی ہوتا ہے،

مگر آج اس کی نئی زندگی کے پہلے دن نے جو ورق کھولا تھا ۔ وہ کبھی نہ اُلٹنے والا ورق تھا ۔ یہی کتاب، یہی حروف یہی مضمون عمر کے آخری لمحوں تک آنکھوں کے سامنے رہنے والی چیزیں تھیں، سچ پوچھو تو یہی رنج و ملال کا بادل تھا جو دل سے اُٹھا اور دماغ میں پھیل کر آنکھوں سے برس پڑا اُسے نہ باپ کا محل چھوڑنے کا غم تھا نہ ماں کی گود سے جُدا ہونے کا صدمہ، کیونکہ یہ تو وہ ہونے والی باتیں تھیں جو شادی کے مفہوم سے آگاہ ہوتے ہی اس کے خیال میں آچکی تھیں۔ البتہ ملال تھا تو یہ کہ جس چیز کو اسنے پائدار سمجھا تھا اس کی ابتدا ہی نہایت دلشکن ثابت ہوئی ۔

مسافر سرائے کی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر اپنے سفر کی رات نہایت آرام سے گذار دیتا ہے کہ اسکے دلمیں گھر کا عیش و آرام حاصل کرنیکی امیدیں بھری رہتی ہیں مگر جس کو گھر میں بھی چین ملنے کی توقع نہ ہو، آہ، اسکے دل کا حال خدارا مجھ سے مت پوچھو،

ab to ghabra ke

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

ہم موت کو زندگی کے ہزارہا مصائب و آلام کی تلافی خیال کرتے ہیں، مگر قبر میں سونے والا مایوس مُردہ، قبر کا عذاب نازل ہوتے ہی

چیخ اُٹھتا ہے، اور اسکی یہ چیخ مایوسیوں کی ایسی آخری حد سے بلند ہوتی ہے، جس کے بعد یاس و قنوط کیلئے بھی کوئی گنجایش نہیں ہوتی، نہ اس حد پر توقعات کی ٹھنڈی ہوا، اس کی مایوسی کے گرم پسینہ کو خشک کر سکتی ہے۔

خجستہ اپنی زندگی کی اس اندھیری کوٹھری میں آنکھیں کھولتی تھی اور اس کی تاریکی سے گھبرا کر پھر بند کر لیتی تھی اسکی حالت اس شخص کی سی تھی جو سکرات موت میں مبتلا، اور ہر طرف نا اُمید ہو کر جنت کی آرزو میں مرجانا گوارا کرے، لیکن مرتے وقت اس شعر کا عملی نقشہ اسکی آنکھوں میں پھر جائے،

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانیکو غالب یہ خیال اچھا ہے

جب اختر سامان درست کرنے کے بعد خجستہ کی طرف متوجّہ ہوا تو اُس نے انداز سے فوراً ہی سمجھ لیا کہ خجستہ کن خیالات میں محو ہے، وہ شادی کے قبل بھی ان مشکلات پر ایک طائرانہ نظر ڈال چکا تھا، لیکن وہ اب تک ان لوگوں میں تھا، جن کو شاعرانہ زبان میں "وارفتہ مزاج" کہتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہ تھا کہ اسکے دماغ میں کوئی خیال آکر عمل کی حد تک قائم بھی رہ سکتا، بہر حال اسوقت اختر نے خجستہ سے

تخیلات کی نزاکت کو سمجھ کر اسکی تشفی کے لئے کہا،
اختر۔ معلوم ہوتا ہے تم کو اس مکان سے وحشت ہو رہی ہے،
خجستہ۔ مکان سے کیوں وحشت ہوتی، مگر۔۔۔۔۔۔ یہ تو بتائیے
آپ نے مجھے کہاں لا ڈالا، جہاں نہ کوئی اپنا نظر آتا ہے نہ پرایا، نہ معلوم
اماں جان میرے لئے کسقدر پریشان ہونگی۔
اختر۔ میری موجودگی میں آپ کو ایسا نہ کہنا چاہیئے، کیا صرف ایک میری
ذات اس قسم کے تمام سوالات کا جواب نہیں ہو سکتی، والدین کو بے شک
اولاد سے محبت ہوتی ہے مگر یہ بھی انکی محبت ہی کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ
لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کے جدا کر دینے کی رائے بھی قائم کر لیتے
ہیں اور بالآخر ایک محدود مدت تک اسکی ناز برداری کر کے کسی ایسی
ہستی کو سونپ دیتے ہیں جس کے لئے گویا وہ پیدا ہی کی گئی تھی۔
خجستہ۔ یہ سب درست ہے مگر میں نے پندرہ سال تک جس ماں
کی گود اور جس باپ کے سایہ میں پرورش پائی ہے میرے دل کو انکی
یاد میں تڑپنا ہی چاہیئے۔
اختر۔ مگر مجھے پاس دیکھ کر اسے تسکین بھی ہو جانی چاہیئے۔
خیر یہ بیتابی تو چند دن کی ہے، رفتہ رفتہ عادت ہو جائے گی،
یہاں کی دلچسپیاں انشاءاللہ ایسی نہ ہونگی جن کے ہوتے ہوئے تم

بے چینی محسوس کر سکو، اور اتنا گھبراتی کیوں ہو جب تک یہ میل موجود ہے، اسوقت تک دوری اور علیحدگی کا سوال ہی فضول ہے، اس وقت ریل میں بیٹھو کل آرام سے گھر پہونچ جاؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا ناشتہ دان تو اُٹھاؤ مجھے بھوک لگی ہے،

خجستہ۔ ناشتہ دان میں کیا رکھا ہے۔ دو چار سوکھی روٹیاں پڑی ہونگی،

اختر۔ اور میں گویا زردہ پلاؤ کھانے کا عادی ہوں،

خجستہ۔ زردہ پلاؤ نہ سہی، روٹی بھی تو ڈھنگ کی ہو۔

اختر۔ مگر میرے لئے بھوک سب سے بڑا ڈھنگ ہے، تم تو ناشتہ دان اُٹھا دو۔

خجستہ، اور جیسے مجھے بھوک ہی نہیں لگتی،

اختر۔ تمہارے واسطے ابھی بازار سے گرم کھانا منگائے دیتا ہوں،

خجستہ اگرچہ ایک متمول باپ کی بیٹی تھی اور اس لحاظ سے ناز و نعم کی خوگر، مگر اختر کے ان الفاظ سے اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی، جس نے اسکو گہری نیند سے جگا دیا اسنے اختر اور اپنے مزاج کی اس بیگانگی کو نہایت حقارت سے دیکھا۔ وہ تقدیر الٰہی کا کشادہ پیشانی سے خیر مقدم کرنے کا قصد کر کے پست آواز میں بولی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نہیں، میں نے آج تک بازار کا کھانا نہیں کھایا میں بھی یہی کھانا کھا سکتی ہوں۔

اختر۔ تو بسم اللہ۔

خجستہ نے کہا ہمنے اختر کا ساتھ دیا اور آج پہلی مرتبہ اسے معلوم ہوا کہ سوکھی روٹیاں بھی ایک لذت رکھتی ہیں!

(۲)

اختر ایک خوش رو، مہذب، اور تعلیم یافتہ نوجوان تھا، اُس کا ناصیۂ اقبال ستارۂ بلندی کی روشنی سے منور تھا مگر ہر چیز کے ظہور کا ایک وقت ہوتا ہے جس سے پہلے اس کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہوتا جب وقت آتا ہے، حالات خود بخود بدلنے لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے ایک پردہ تھا جو دفعتہ" اُٹھ گیا۔

اختر کی تقدیر کا ستارہ ابھی چمکا نہ تھا اسپر نکبت کی گھٹائیں چھا رہی تھیں مگر وہ رحمت کی ہوا سے اس جھونکے کا منتظر تھا جسکی ایک ہی جنبش سے اِن سیاہ بادلوں کا چھٹ جانا مقدر ہو چکا تھا اور امید کے آئینہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے نصیب کا ستارہ چمکا اور اب چمکا!

وہ ریاست حیدرآباد میں، نائب قانون گوئی کی جگہ پر کام کر رہا تھا ایک مہینہ کی نہایت عرق ریز محنت کے بعد صرف تیس روپیے اس کو ملتے تھے، جو حقیقتاً ملنے سے پہلے ہی خرچ بھی ہو جایا کرتے تھے، اول تو اورنگ آباد ایسے مقام پر تیس روپیہ کی بساط ہی کیا تھی، پھر اختر کے مصارف بھی کچھ اس شان کے تھے۔ کہ وہ ہر مہینہ کی اکتیس کو خرچ کا حساب بنا کر رکھ لیا کرتا تھا اور پہلی تاریخ کو تنخواہ وصول کرتے ہی اس کے بموجب صرف کر دیتا تھا۔ گھر سے اتنا خوش حال نہ تھا کہ ضرورت پر کسی امداد کی توقع ہو سکتی آبائی جائداد کی آمدنی اس سے زیادہ نہ تھی کہ اسکے چھوٹے بھائی یوسف کے مصارف سے بچکر اس کے کام آسکتی۔ اختر کی برادرانہ محبت و رواداری اسکی بھی اجازت نہ دیتی تھی کہ جائداد تقسیم ہو جائے یا کم از کم آمدنی ہی دونوں بھائیوں کو بحصہ رسدی مل جایا کرے کیونکہ یوسف کہیں ملازم تو تھا نہیں اسکی معاش کا دار و مدار صرف جائداد کی آمدنی پر تھا اور اختر کے مشورے سے اپنے ہی گھر پر متھرا میں رہتا تھا اس لئے یہ امر کسی صورت سے بھی جائز نہ تھا کہ اختر، یوسف کی معاش میں (جو دنیا میں اسکو سب سے زیادہ عزیز تھا) کوئی تنگی پیدا کرنے کا اقدام کرتا۔

ملازمت کی تلاش میں اسکا حیدرآباد آنا ہی اسوجہ سے تھا کہ

باپ کے دفعتہً مرجانے سے تعلیم ایف ۔ اے، تک پہونچکر بند ہوگئی تھی،
اور گھر پر جائداد کے سہارے قیام کرنا گویا یوسف کے برادرانہ حقوق میں
غاصبانہ مداخلت تھی جو اسے کسی حیثیت سے گوارا نہ تھی، ایسی صورت
میں ملازمت ہی ایسا چارہ کار تھا جس سے وہ اپنے حال کو روشن اور
مستقبل کو خوشگوار بنا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے نہایت مردانہ ہمّت
سے حیدرآباد کا سفر کیا اور یہاں کی فضا پردیسیوں کے لئے جسقدر
تنگ ناسازگار، اور مسموم ہے اسکا حد درجہ عزم و استقلال سے مقابلہ
کیا، جس کے نتیجہ میں اُسے نائب قانون گوئی کی جگہ مل گئی جو ہر چند اسکے
مطمح نظر کے اعتبار سے کچھ نہ تھی لیکن اس عالم بیکسی میں اُس نے
اسی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر قبول کرلیا۔

خجستہ اختر کے ماموں محمود کی لڑکی تھی جسمیں قدرت نے حسن وجمال
کی تمام دلفریبیاں مجتمع کردی تھیں، وہ اپنی پیدائش کے پہلے ہی لمحہ
میں اختر کی والدہ کے اصرار سے جس کو محمود کی ذات پر بزرگانہ اقتدار
حاصل تھا اختر سے منسوب ہوچکی تھی، لیکن خجستہ ابھی دو ہی سال کی
تھی کہ اختر کی والدہ کی ناگہانی موت نے اس پیمان ارتباط کو سست
کردیا، اور اسکی اہمیت ایک بھولے ہوئے قول سے زیادہ نہ رہی پھر
اسکے تقریبًا بارہ سال بعد یوسف کے باپ کی رحلت نے تو اس

خیال کو بالکل مٹا ہی دیا۔ اب نہ محمود کو یاد تھا کہ خجستہ، اختر سے منسوب ہو چکی ہے، نہ اختر کو علم تھا کہ خجستہ جو تمول کی بیشمار سعادتوں میں پرورش پا رہی ہے کسی زمانہ میں اس سے منسلک ہو گی۔

محمود اور اختر میں غربت و تمول کی جو وسیع خلیج حائل تھی۔ اس کے اعتبار سے بھی یہ خیال دماغ میں نہ سما سکتا تھا۔ محمود ایک معقول جائداد کا مالک ہونے کے علاوہ کاروباری انسان تھا اور اس حیثیت سے اس کا سرمایہ ہمیشہ بڑھتا ہی رہتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اختر جو بے ماں، باپ کا غریب لڑکا تھا کچھ بھی نہ تھا، اگر تعلیم کے لحاظ سے وہ اسکی نگاہ میں کبھی کوئی امتیاز پیدا بھی کر سکتا تو اب اس کے ذرائع بھی منقطع ہو چکے تھے۔

بہر حال خجستہ اُس باپ کی بیٹی تھی جس کے یہاں سب کچھ تھا مگر تقدیر کی نیرنگیوں پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا، ازل ہی میں اس کی پیشانی پر دست قدرت نے لکھدیا تھا کہ وہ اختر جیسے غریب شخص کی بیوی بنائی جائے گی۔ اور یہی امر اس کی سرمدی ترقی کا باعث ہوگا اب کوئی طاقت نہ تھی کہ قدرت کے اس نوشتہ کو مٹا دیتی۔ اگرچہ محمود نے ہزار کوشش کی کہ اسکو کسی ایسی جگہ بیاہے جہاں خجستہ ملکہ نہیں تو بیگم ہی کی صورت سے زندگی بسر کر سکے۔ لیکن انسانی

ارادہ ہی کیا، وہ تو ایک کچا دھاگہ ہے جس کا ایک سرا انسان کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا کسی زبردست طاقت کے پنجہ میں، یہ طاقت جب چاہتی ہے ایک ہی جھٹکہ میں اس کو توڑ ڈالتی ہے۔

آخر محمود کی ساری تمناؤں کو اختر ایسے نادار داماد کے قدموں پر نثار ہو جانا پڑا۔

اختر جسوقت حیدر آباد کے لئے تیار ہو رہا تھا اسوقت اُسکو خبر بھی نہ تھی کہ میں اب وطن واپس آ سکوں گا۔ حقیقت میں اسکے لئے یہاں کی سرزمین میں یوسف کے علاوہ کوئی چیز باعث کشش نہ تھی۔ اور یوسف کے متعلق خود اسکا خیال تھا کہ اپنے پاؤں جم جانے پر اسکو بھی پاس ہی بلا لے گا۔ وہ تو اس ارادہ کو دل میں لئے ہوئے جا رہا تھا اور قدرت اس کے عزم پر مسکرا کر کہہ رہی تھی کہ متھرا کی ملکۂ حسن و شباب خجستہ تیرے ہی لئے پرورش کی جا رہی ہے اور محمود کی دامادی کا سہرا تیرے ہی سر بندھ کر رہیگا۔

اختر کے جانے سے محمود کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ شہر کی چہل پہل میں کچھ بھی کمی ہوئی یا کم از کم اسکے گھر کی رونق میں کس قسم کی افسردگی پیدا ہوئی ڈیڑھ سال باتوں ہی باتوں میں گذر گیا، کہ خجستہ کی ماں، سکینہ نے

اپنے شوہر کو خجستہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ آخر خجستہ کی بھی کچھ فکر کرو گے یا نہیں، لڑکی جوان ہوتی جاتی ہے اور تم ہو کہ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو جیسے کوئی بات ہی نہیں، بھائی میرا تو کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ ان الفاظ نے گویا محمود کو سوتے سے جگا دیا۔ اب وقت کا ایک ایک لمحہ اسپر بھاری ہوگیا، اسنے خاندان کے تمام لڑکوں پر نظر ڈالی، کہ جس کو خجستہ کا اہل پائے اس سے خجستہ کو منسوب کرنے کی سعی کرے، ایک ایک کرکے سب پر نگاہ گئی، مگر جیسے گئی تھی ویسے ہی لوٹ آئی۔

اختر بیچارے کا ذکر ہی کیا تھا اول تو وہ "ہر کہ از دیدہ دور از دل دور" کا مصداق تھا دوسرے اسقدر غریب کہ عزیزوں میں شمار کرنے سے محمود ایسے ذی مرتبہ شخص کو شرم آئے، پھر سب سے زیادہ یہ کہ بیکس لاوارث نہ اسکی طرف سے کوئی بولنے والا، نہ سعی کرنے والا۔

ایک دن دونوں میاں بیوی نے مشورہ کرکے ناصر کو جو سکینہ کا دور کا عزیز بھی تھا اپنی دامادی کے لئے منتخب کرلیا ناصر زیادہ پڑھا لکھا تو نہ تھا مگر شہر کے سب سے بڑے لکڑی کے کارخانہ کا مالک تھا، اسوا اس کے صحرائی جائداد بھی کافی تھی، ماں، باپ کا سایہ موجود تھا، باپ نے دوڑ دھوپ کرکے جلد ہی بات پختہ کرلی، معاملہ طے ہو کر عقد

کی تاریخ مقرر ہونے والی تھی کہ محمود کو دفعتہً درد گردہ کا دورہ پڑ گیا اور یہ اسقدر سخت پڑا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ خدا خدا کر کے جان بچی تو دو تین ہفتہ تک بات آئی گئی رہی۔ ایک دن ناصر کے باپ نے محمود کو رقعہ لکھ کر پھر سلسلہ جنبانی کردی۔ اس نے جواب میں لکھدیا کہ معاملہ تو تقریبًا طے ہی ہو چکا ہے صرف رسم ادا ہونا باقی ہے جو ہر وقت ہو سکتی ہے، ابھی میں کمزور ہوں اسلئے آئندہ ہفتہ میں کوئی تاریخ مقرر کر سکونگا اس جواب کے تین دن پیچھے خجستہ کی ایسی طبیعت بگڑی کہ گھر بھر پریشان ہو گیا رات کو اچھی خاصی پڑکر سوئی بارہ بجے چیخ مار کر بیہوش ہو گئی، اطباء کو دکھایا گیا تو اُنھوں نے اختناق الرحم تجویز کیا، ڈاکٹروں نے ایک اور عصبی مرض تشخیص کیا، غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں،

محمود کتنا ہی مالدار ہو مگر اسکا دل خدا کے خوف سے غافل نہ تھا ذرا کوئی غیر معمولی بات ہوئی اور اُسنے اپنے جملہ افعال و اقوال کا جائزہ لینا شروع کیا جہاں کوئی قول و فعل قابل اعتراض نظر آیا، اُسنے توبہ، استغفار شروع کیا، اسی لئے بعض لوگ اس کو مراقی بھی کہدیا کرتے تھے، مگر تم مراقی کہو یا جنونی آدمی تھا دل کا نرم اور ذکی الحس؛

یہ دونوں واقعات خواہ بظاہر کتنے ہی عامتہ الورود کیوں نہ ہوں مگر محمود کے دماغ میں توہمات کی قیامت برپا کر دینے کے لئے کافی تھے

ہر چند اس نے حسب عادت اپنے گذشتہ حالات پر احتسابی نظر ڈالی مگر کوئی بات ایسی سمجھ میں نہ آئی کہ ان حادثوں کو اس کی پاداش سمجھ لیتا۔

وہ ایک روز دوپہر کے وقت لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے اس سے کہا، کہ یوسف کے مکان کا ایک حصّہ آگ لگ جانے کی وجہ سے گر گیا محمود دولت کے نشہ میں اگرچہ اعزہ کے رنج و راحت سے ایک حد تک بے خبر رہتا تھا۔ خصوصًا غریب عزیزوں کے رنج و راحت سے۔ مگر یوسف پھر بھانجا ٹھہا نہ معلوم کس خیال نے اُسے وہاں تک جانے پر مجبور کر دیا وہ اُٹھا اور فورًا ہی مردہ بہن کی زندہ نشانی کے دیکھنے کو چلدیا۔ یوسف کا مکان ایک میل سے کم فاصلہ پر نہ تھا اور زمانہ تھا گرمی کا، چیل انڈا چھوڑ رہی تھی مگر محمود تھا کہ تپتی ہوئی دوپہر میں سائیکل پر بیٹھا ہوا تیز تیز یوسف کے مکان کی طرف چلا جا رہا تھا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ یوسف سر پکڑے ہوئے مکان کی منہدم ڈیوڑھی پر کھڑا ہے۔ کہتے ہیں خون کا جوش اور دلوں کا تعلق اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا، محمود نے جو یوسف کا یہ حال دیکھا تو اسکا قلب لرز گیا۔ اسنے سائیکل تو دی پھینک اور دوڑ کر یوسف کو سینہ سے چمٹا لیا، یوسف نے بھی محمود کے سینہ میں محبت کی گرمی محسوس کی، اور وہ بھی اسکو چمٹ گیا جیسے لوہا مقناطیس سے چمٹ جاتا ہے، یوسف بچہ تھا، ہمدردی کے لئے عرصہ سے اُسکا دل

تڑپ رہا تھا خلاف معمول ماموں کو جو اسدرجہ مہربان دیکھا تو لگا چیخیں مارنے
محمود کا دل اسکی چیخوں سے ہل گیا، ایسا معلوم ہوا کہ بہن پاس کھڑی
ہے اور رو رو کر اس سے اختر کا حق مانگ رہی ہے۔ محمود کی حالت ہی
بدل گئی، اسکو یہ فیصلہ کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی، کہ یہ جو کچھ بھی ہوا،
سب اپنے قول و قرار کو بھلا دینے کی وجہ سے اور بھانجوں کے ساتھ
صلۂ رحمی منقطع کر دینے کے باعث، اس نے خجستہ کے بارے میں اپنی
رائے قطعی بدل دی۔ اور پندرہ سال قبل بہن سے جو وعدہ کیا تھا وہ
بالکل تازہ ہو گیا۔ جو خیال عرصہ تک غور و فکر کرنے سے بھی حافظہ نے
پیش نہ کیا تھا آج بلا تامل سامنے رکھ دیا۔ اس نے دیکھا کہ ناصر ایک دیو
ہے جو زبردستی مجھ سے خجستہ کو چھینے لیتا ہے مگر چاہے جو کچھ بھی ہو میں خجستہ
کو اختر ہی کے سپرد کرونگا۔

وہ یوسف کو تسکین دیکر اپنے ہمراہ لے آیا اور بیوی سے کہنے لگا دیکھو
میں خود ہلاکت کی طرف کھنچا جا رہا تھا اگر خجستہ کی شادی ناصر سے ہو جاتی
تو نہ معلوم آپا کی روح مجھ سے کتنا سخت بدلہ لیتی اور خدا ہی کو خبر ہے کہ
میرا کیا حشر ہوتا، سکینہ نے کہا کیوں، کیا ہوا؟

محمود: میں اختر کو بالکل بھول گیا تھا اور اس کے ہوتے ہوئے مجھے
خجستہ کے لئے شوہر کی تلاش تھی، حالانکہ وہ عرصہ ہوا میرا داماد بن چکا ہے

میں ناصر کیساتھ ہرگز خجستہ کی شادی نہ کرونگا۔
سکینہ۔ دنیا کیا کہے گی، سب کو معلوم ہے کہ تاریخ مقرر ہونا ہی باقی ہے،

محمود، اس دنیا میں لوگوں کو جواب دے لینا آسان ہے مگر جب قیامت کے دن، بادشاہِ حقیقی کے سامنے اختر کی ماں میرا دامن پکڑ کر کہے گی کہ میرے بیٹے کی امانت کیوں غضب کر لی تو میں کیا جواب دونگا۔

دو تین مہینے انھیں اُلجھنوں میں گذر سے، محمود اپنی رائے قطعی بدل چکا تھا، لیکن سکینہ اپنی ہٹ پر قائم تھی، اُدھر ناصر کی جانب سے تقاضہ ہوتا، اور محمود لطیف حیلوں سے ٹالدیتا،

اسی دوران میں متھرا کے گرد و نواح سے فتنۂ ارتداد برپا ہوا، ناصر جس گاؤں میں رہتا تھا وہاں تو بہت ہی زور سے یہ آگ مشتعل ہوئی، اگرچہ ناصر دن بھر شہر ہی میں رہتا تھا، اور بعض اوقات تو ایک ایک ہفتہ تک اسکو گھر جانے کی نوبت نہ آتی تھی، تاہم جب گاؤں میں جاتا تو یہ آوازیں اسکے کانوں میں بھی پڑتی تھیں، اوّل اوّل تو اسکو اس قصّہ سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی لیکن جب اس کا ایک خاص دوست بھی اس بادیۂ ضلالت میں گمراہ ہوگیا تو ناصر نے بھی چوکنا ہوکر اپنے گرد و پیش نگاہیں دوڑائیں۔ اگرچہ ناصر خدا کے فضل سے مُرتد نہ ہوسکا مگر اس کے دماغ میں

اس ہیبت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگیا ، وہ اسلام کے متعلق عجیب عجیب قسم کے سوالات کرنے لگا جس سے عوام میں یہ شہرت پھیل گئی کہ ناصر کے مذہبی عقائد بھی بگڑ گئے گو علماء کی بروقت خبرگیری سے ناصر کے شبہات جلد دفع ہوگئے اور الحمدللہ اس کے قدم جادۂ اسلام سے ڈگمگا نہیں، تاہم محمود نے اس موقعہ سے کافی فائدہ اُٹھایا۔ اور اُس نے ناصر کے باپ کو صاف لکھدیا کہ آیندہ اس رشتہ کے متعلق مجھ سے کوئی گفت و شنید نہ کیجائے میں ہرگز اس تعلق کو اب پسند نہیں کرسکتا،

سکینہ کو ناصر کی حالت کا علم ہوا تو اسنے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے، اور کھلے الفاظ میں کہدیا کہ ایک فقیر کے ہاتھ میں خجستہ کا ہاتھ دیدونگی، لیکن ناصر سے کبھی اسکی شادی نہ کرونگی،،

اس طرف سے مطمئن ہوکر محمود نے اختر کو واپس بلانے کی کوشش شروع کی۔ لیکن اختر ایسا خوددار انسان کب گوارا کرسکتا تھا کہ جس مغرور ماموں نے غریب بھانجہ کو چلتے وقت پوچھا تک نہ تھا وہ اسکے بھروسہ پر وطن کا رُخ کرے،

چنانچہ اسنے نہایت صفائی سے لکھدیا کہ میں یہاں نہایت آرام سے ہوں، اور ہرگز مناسب نہیں سمجھتا کہ جن یاران وطن نے میری غربت پر آج تک رحم نہیں کیا ان سے آیندہ کوئی توقع کروں،

اس جواب سے محمود کی دلشکنی ضرور ہوئی تاہم وہ مایوس نہ ہوا، اور اسنے کوشش منقطع نہ کی، جیسے باغ کا مالی ایک سوکھے ہوئے پیڑ کو ہرا ہوجانے کی امید میں پانی دینا بند نہیں کرتا، ویسے ہی محمود نے اختر کے اس خشک جواب پر کوئی خراب اثر نہ لیا۔ انسان جب کسی کو اپنا سمجھ لیتا ہے تو اسکی بُری باتیں بھی بھلی معلوم ہوا کرتی ہیں،

محمود نے اختر کا خط پڑھ کر کہا، اختر ابھی بچہ ہے اسکی نازبرداری میرے لئے ہر حال میں فرض ہے، میں اس کے ایسا لکھدینے پر کیوں بُرا مانوں، اور پھر سچ پوچھو تو اس نے جو کچھ لکھا ہے اسمیں جھوٹ بھی کیا ہے، اسپر بھی کیا کم ظلم ہے کہ وہ میرے ہوتے ہوئے وطن سے کوسوں دور بے یار و مددگار زندگی گذار رہا ہے، محمود نے اس جواب کے دو ہفتہ بعد یوسف کو حیدرآباد بھیجا اور اسکو اچھی طرح تاکید کردی کہ جس طریقہ سے بھی ممکن ہو اختر کو اپنے ہمراہ لے آئے، یوسف حیدرآباد گیا اور بڑی مشکل سے اختر کو راضی کر کے متھرا لایا،

سچ تو یہ ہے کہ اگر یوسف سے اختر کو ایسی گہری محبت نہ ہوتی تو اسکا آنا بالکل ناممکن تھا، یوسف اسکے سامنے رویا بھی، اس نے ضد بھی کی خفا بھی ہوا، سب ہی کچھ کیا، جب کہیں جاکر اختر نے رخت سفر باندھا، اختر کے آنے پر جلد جلد شادی کا اہتمام ہونے لگا لیکن بحث اسمیں

رہی کہ اختر کی جانب سے انتظام کون کرے، محمود کا منشا یہ تھا کہ شادی کے مصارف کا بار دونوں جانب سے میرے ہی سر رہے مگر اختر نے اس سے سخت اختلاف کیا اور اپنی شادی کو اسی امر پر مشروط رکھا کہ میری طرف سے ماموں جان کا ایک پیسہ صرف نہ ہو،

اختر نے یوسف کے اصرار سے اپنی صحرائی جائداد کا ایک حصہ پانچسو روپے میں فروخت کر کے شادی کے انتظامات مکمل کئے۔ اور ایک مہینہ کے اندر ہی "اختر و خجستہ" میاں بیوی بن گئے،

خجستہ کو اختر سے اور اختر کو خجستہ سے ایک ہی ہفتہ میں ایسی گرویدگی ہو گئی کہ دونوں نے اپنی اپنی جگہ یہ خیال پختہ کر لیا کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کا زندہ رہنا دشوار ہے،

چنانچہ دوسرے ہفتہ میں اختر نے خجستہ سے کہا کہ میں زیادہ سے زیادہ دس روز اور ٹھہر سکوں گا، اگر تمھیں چلنا ہے تو ابھی سے انتظام شروع کر دو، میری رائے میں اگر تم میرے آرام و اطمینان سے کچھ تعلق رکھتی ہو تو تمھیں چلنا ہی چاہیے کیونکہ جو اختر سب کو چھوڑ کر ڈیڑھ سال تک پردیس کی مصیبتوں میں زندہ رہا وہ تم سے علیحدہ رہ کر ہر قسم کے راحت وسکون کے باوجود بھی اپنی زندگی قائم نہیں رکھ سکتا۔

خجستہ کا خود بھی منشا تھا لیکن کچھ تو اس لحاظ سے خاموش تھی کہ

عمر میں پہلی مرتبہ اسے والدین سے جُدا ہونے کا اتفاق تھا اور جُدائی
کے اس تصوّر سے اسکی روح چکّر کھانے لگتی تھی اور کچھ اس لحاظ
سے کہ اگر والدین کے سامنے جانے کا ذکر چھیڑتی ہے تو سب کہیں گے
کہ شوہر نے دو ہی ہفتہ میں نہ معلوم کیا افسوں پھونکدیا کہ ماں باپ کی
محبّت کو اسقدر جلد ٹھکرائے دیتی ہے،

بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ اختر اپنے ماموں سے خجستہ کو ساتھ
لے جانے کی خواہش کرے اور آخر تک اصرار کرتا رہے اور خجستہ بظاہر
تو خاموش رہے مگر جب اس سے دریافت کیا جائے تو وہ بھی اختر کی
سی کہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

اختر کی اس خواہش کا ظاہر ہونا تھا کہ گھر بھر میں کہرام مچگیا۔ گھر
کے تمام آدمیوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، کہ بھلا دو دن کی دلہن
جس کا ابھی گھونگھٹ بھی نہیں کھلا کس طرح کالے کوسوں کا سفر کر سکتی
ہے؟

مشرقی رسم و رواج کی یہ سخت پابندیاں، جذبات محبّت سے جو تخالف
رکھتی ہیں، ظاہر ہے یہاں نہ دولھا دلہن کے باہمی اتحاد و رواداری
کا رشتہ مستحکم ہونے پر کسی کی نظر جاتی ہے نہ دونوں کی یکجائی سے
موانست و غمگساری پیدا ہونے کا احساس ہوتا ہے، چاہے یہ سب

باتیں جو حقیقتاً شادی کے بہترین نتائج و ثمرات ہیں معدوم ہوجائیں لیکن رسوم کی ادائگی میں کوئی کمی واقع نہ ہو اگر ایک رسم بھی ادا ہونے سے رہ گئی تو شادی ہی مکمل نہ ہوئی، کسی خاص شخص پر موقوف نہیں ہندوستان کی عام حالت یہی ہے پھر بھلا محمود کا گھر اس سے کیوں مستثنیٰ رہتا۔ وہ بھی تو آخر ہندوستان ہی کی زمین پر تعمیر ہوا تھا اور اس میں بھی تو وہی لوگ رہتے تھے جن کے وجود سے ہندوستان، ہندوستان کہلائے جانے کا مستحق ہے اور جن کے نزدیک مذہبی فریضہ کا فوت ہو جانا چنداں قابل لحاظ نہیں مگر ایک رسم کا ترک ہو جانا قیامت ہے۔

گھر کے آدمیوں کے علاوہ اور بھی جس شخص کے کان میں اختر کے یہ الفاظ پڑے اُسنے یہی کہا، لاحول ولاقوۃ بھئی یہ کیا حماقت ہے،

بٹیا اختر تم بھی ہو بڑے خودسر،

اختر و خجستہ کے ان نازک تعلقات زن و شوئی کو کسی سے بحث نہ تھی جن میں استحکام ہی میاں بیوی کے پاس رہنے سے ہوتا ہے۔ ہر شخص کی نظر رسوم و قیود کے دائرے میں محدود تھی ایسے زبردست نقارخانے میں اگر اختر ایسے طوطی کی صدا نہ سُنی جاتی تو کچھ تعجب نہ تھا۔ مگر اختر خود ایک جن تھا، وہ زبان سے جو کہہ چکا تھا اسی پر جما رہا۔

ہر چند محمود و سکینہ نے اختر کو سمجھایا کہ اول تو تم ہی یہاں رہو۔

ملازمت کی تمہیں ضرورت ہی کیا ہے اگر کسی مصلحت سے یہ منظور نہیں تو فی الحال خجستہ کو نہ لیجاؤ، اب کی مرتبہ آکر لیجانا لیکن اختر نے ایک نہ سنی۔ اسی دوران میں ایک کمزور سی آواز یہ بھی اٹھی کہ تو یہ سب کچھ ہو رہا ہی پہلے جانیوالی سے تو پوچھ لو اسکا کیا ارادہ ہے۔

پوچھے کون، ماں نے دریافت کیا تو خجستہ نے کچھ نہ کہا۔ باپ نے محبت سے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو اسکی زبان کو جنبش نہوئی،

آخر چھوٹی بہن کے ذریعے سے معلوم کیا گیا تو خجستہ نے کلیجہ سخت کر کے کہہ ہی دیا، کہ مجھے جانے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی،

خجستہ کا یہ ایما اس قضیہ کا ایسا ناطق فیصلہ تھا کہ اسکے بعد کسی کو زبان ہلانے کی تاب نہ رہی، اور اختر کی رخصت ختم ہونیسے قبل ہی خجستہ کی روانگی کا بندوبست کر دیا گیا۔ محمود نے ایک خادمہ بھی ساتھ کرنا چاہی لیکن اختر نے اپنی بساط پر نظر کرتے ہوئے، خادمہ ساتھ لیجانا مناسب نہ سمجھا،

چار و ناچار محمود نے خجستہ کو تنہا رخصت کر دیا، اور اس کے چلے جانے کے بعد اُسے ایسا معلوم ہوا کہ گویا اسکی کمر ٹوٹ گئی، ماں نے بھی دل پر پتھر رکھ لیا، لیکن گھر سب کو ویران ویران نظر آنے لگا، ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مگر یہ بھی سب سمجھتے تھے کہ

جو کچھ ہوا انجام کار یہی ہونا تھا۔
اختر، خجستہ کو لے کر جو چلا تو چار روز مسلسل سفر کرکے، آج اورنگ آباد میں، اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان میں آ اترا۔

---

(۳)

خجستہ نے کبھی کھانا نہ پکایا تھا۔ مکان میں جھاڑو نہ دی تھی اُسے معلوم نہ تھا کہ مصالحہ کیونکر پیسا اور آٹا کس طرح گوندھا جاتا ہے تاہم بے کئے بھی نہ بنتی تھی، وہ صبح سویرے ہی اُٹھی جھاڑو سے فارغ ہوکر، چائے بنائی، لیکن چائے کی پیالیاں خود اختر ہی کو دھونا پڑیں پھر بھی خجستہ کے ہاتھ سے ایک طشتری کا خون ہو ہی گیا۔ روٹی پکانے کا وقت آیا تو جیسے تیسے آٹا گوندھ کر چولھے پر توا رکھا مگر پہلی روٹی سینکتے ہی میں چوڑیاں آگ کی طرح جلنے لگیں، منہ سُرخ ہوگیا تمام بدن پسینہ سے تر ہوگیا، خدا خدا کرکے روٹی سے فراغت پائی تو دال بگھارنے کی ضرورت ہوئی، وہ گھی گرم کر رہی تھی کہ پانی کا ایک قطرہ ٹپکتے ہوئے گھی میں جا پڑا اور گھی کی ایک بُوند نے کلائی پر وہ چرکہ لگایا کہ بلبلا اُٹھی،

چاہیئے تو یہ تھا کہ امیر گھر کی لڑکی اس اُفتاد سے گھبرا کر رو اٹھتی،
مگر خجستہ کو خدا نے دماغ ہی اور قسم کا دیا تھا، اس نے دو ہی دن میں دنیا
کا وہ تجربہ حاصل کرلیا تھا۔ جو دوسری عورت سال بھر میں بھی نہ حاصل
کرسکتی، اس نے رونے کی جگہ دل ہی دل میں اپنی حالت پر افسوس
کیا اس نے سوچا کہ جو تجربہ آج حاصل ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے سیکھ
لینے کی چیز تھا تاکہ وقت پر دشواری نہ ہوتی۔

خجستہ کبھی اپنے تغافل پر لعنت کرتی تھی، کبھی ماں، باپ کی
محبت کو قابل اعتراض خیال کرتی تھی، لیکن گذشتہ عیش و آرام کے مقابلہ
میں وہ موجودہ تکلیف کی زندگی کو بدرجہا بہتر سمجھتی تھی، اور چاہتی تھی
کہ جلد سے جلد خانہ داری کے جملہ تجربات پر عملاً عبور ہو جائے، تاکہ اسکی
کوئی منزل ایسی نہ رہے جس کی ضروریات قبل از وقت اُسے معلوم نہ ہو جائیں،
یہ سب کام اسوقت ہوا جب اختر، گھر پر موجود نہ تھا، اس کی واپسی
پر خجستہ کھانا نکالکر لائی، تو اختر کو اس پر بہت رحم آیا۔ حقیقتاً خجستہ اسوقت
تھی بھی نہایت قابل رحم، بال پریشان، چہرہ تمتمایا ہوا، اور پسینہ کے
قطروں سے پیشانی صدفِ صادق بنی ہوئی، آستین کہنیوں تک
چڑھی ہوئی، دوپٹہ لپٹا ہوا، اگرچہ خجستہ کے نزدیک یہ سب اُمور نتیجہ
تھے اُس مستعدی کا جو عمر میں پہلی مرتبہ اسنے اپنے اوپر طاری کی تھی،

مگر اختر نے ان کو اس حیثیت سے نہیں دیکھا، اس کے دل میں دفعتہً یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس خجستہ کے ہاتھ بھی خادمہ کی امداد کے بغیر نہ دُھلتے تھے آج وہ خود ایک ملازمہ کی صورت سے میرا کام کر رہی ہے مگر میں اسکو خادمہ بنا کر نہیں لایا میں تو اپنے گھر اور دل کی ملکہ بنا کر خجستہ کو لایا ہوں، یہ مانا کہ میں کم استطاعت اور بے مایہ آدمی ہوں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں خجستہ کی اس حیثیت کو فنا کر دوں، جس کی وہ بہر حال مستحق ہے۔ اگر مجھ میں ملازمہ رکھنے کی قوت نہ بھی ہو تب بھی خجستہ کی خاطر مجھے ایسا کرنا ہی چاہیئے۔ اس نے یہ سوچ کر نہایت دردمندی کے ساتھ کہا۔

اختر۔ اس سے پہلے بھی کھانا پکایا ہے یا آج پہلا ہی اتفاق ہے۔

خجستہ۔ کیوں؟ کیا دال کچی رہ گئی۔

اختر۔ یہ تو کھانے سے معلوم ہوگا۔ صرف دیکھ کر کیا بتا سکتا ہوں لیکن دال تو غالباً گل ہی گئی ہوگی؟

خجستہ۔ پھر آپ کا کیا مطلب ہے۔

اختر۔ میں پوچھ رہا تھا۔ کہ اس سے قبل بھی کبھی کھانا پکانے کا موقعہ ملا ہے،

خجستہ۔ اگر نہیں ملا تو اب سہی!

اختر۔ لیکن اسکے بعد میں آپ سے کھانا پکوانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔
خجستہ۔ اسقدر خفگی۔
اختر۔ خفگی نہیں صاحب! عادت کے خلاف کسی کو مجبور کرنا اچھا نہیں، میں اگرچہ تکالیف برداشت کرنے کا عادی ہوں، لیکن یہ تکلیف اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی ہے جس نے مجھے سخت اذیت پہونچائی، میں آج ہی ملازمہ کا بندوبست کئے لیتا ہوں، انشاء اللہ شام کو تمھیں کھانا پکانے کی نوبت نہ آئے گی،
خجستہ۔ پردیس میں سب ہی کچھ کرنا پڑتا ہے، ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں، اور گھر تو اسی طرح بنتا ہے۔ میں پلنگ پر بیٹھنے اور آرام کرنے تو آئی نہیں ہوں میرے آنے کا مقصد تو محض یہ ہے کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ آپ میری وجہ سے ملازمہ رکھیں گے تو میرے آنیکا نتیجہ ہی کیا ہوا، بہتر یہ ہے کہ بھلی بری جیسی بھی ہو میرے ہی ہاتھ کی کھاتے جایئے،
اختر۔ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ آپ میرے آرام کی خاطر آئی ہیں، اگر واقعی یہی منشاء ہے آپکے آنے کا تو جو کچھ میں کہوں اُسے منظور کرلیجئے۔ کیونکہ میرے لئے اس سے بڑی کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی کہ میں تمھیں اس حال میں دیکھوں،

خجستہ۔ میں خدا کے فضل سے بالکل اچھّی ہوں میرے کس حال سے آپ کو اذیت ہوئی!

اختر۔ اسوقت میں نے تمھیں قطعی ماماؤں کی سی صورت میں دیکھا جو مجھے کبھی گوارا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اب اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کی حاجت نہیں میں کوشش کر کے کوئی نیک خصلت عورت تلاش کئے لیتا ہوں، اسی سے کھانا پکوایا جائیگا اور وہی گھر میں صفائی وغیرہ کی ذمّہ دار ہوگی،

خجستہ۔ اور سُنو تو سہی! اُسے دینا کیا پڑیگا،

اختر۔ عام طور سے تو یہاں کھانا پکانے والی عورتوں کو زیادہ تنخواہ نہیں ملتی مگر سرکاری ملازموں نے نرخ بڑھا دیا ہے، اس واسطے ہم لوگوں کو تین چار روپیہ ماہوار اور کھانے سے کم میں کوئی عورت نہ مل سکے گی،

خجستہ۔ اور آپ کو کیا تنخواہ ملتی ہے؟

اختر۔ اس سے تھیں کیا بحث رفتہ رفتہ آپ ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

خجستہ۔ آخر معلوم تو ہوتا کہ مصارف کو بھی اسی پیمانہ پر رکھا جائے،

اختر۔ آپ کے اس سوال سے یہ تو میں سمجھ گیا کہ آپ میں خانہ داری کی

خاصی قابلیت ہے مگر ابھی اسکا وقت نہیں، ہر کام عمر کی مناسبت سے اچھا ہوتا ہے۔ فی الحال میرے لئے یہی مسرت بہت ہے کہ میری بیوی اُمور خانہ داری کی طرف متوجہ ہے! یہ دوسری بات ہے کہ مجھے آپ کی اس لیاقت سے ابھی کام نہیں لینا۔

اس عرصہ میں اختر کھانے سے فارغ ہو گیا تھا، دفتر کا وقت بھی قریب تھا، اسواسطے ہاتھ دھو کر وہ فوراً ہی پاندان کی طرف متوجہ ہو گیا، پان پہلے ہی سے بنے ہوئے طیار تھے تھالی کے علاوہ ڈبیہ بھی بھری ہوئی تھی، اسنے ڈبیہ اُٹھا کر جیب میں ڈال لی، اور دفتر چلا گیا،

دفتر میں آج اسکی طبیعت نہ لگی ہر وقت خجستہ کی محنت کا دردناک منظر اور وہ دلفریب نقوش جو شوہر کی خدمت کے جذبۂ شوق نے مشقت، تھکن، اور مستعدی کی آمیزش سے اسکے چہرے پر بنا دئے تھے، اُسے بیتاب کرتے رہے، وہ کام کرنے کے لئے کوئی مسل اُٹھاتا اور اُس پر دو چار سطریں لکھتا۔ کہ خجستہ کی زحمت کے تصوّر سے اُسے پھریری سی آجاتی، وہ ایک انگڑائی لیتا اور قلم انگلیوں کی گرفت سے نکل جاتا، اس نے دفتر آتے ہی ملازمہ کی تلاش پر آدمی مامور کردئے تھے جو کچہری برخاست ہوتے ہوتے دو تین بوڑھی عورتیں ڈھونڈ لائے کسی نے سات، کسی نے دس مانگے، مگر بڑی کوشش سے ایک عورت چار روپیہ

ماہوار اور کھانے پر ان شرائط کے ساتھ رضا مند ہو گئی کہ کھانا اپنے گھر لیجاؤں گی، چائے خود آپ کو بنانا ہو گی۔ کیونکہ میں سات بجے سے قبل نہیں آسکتی ہوں اسیطرح شام کو زائد سے زائد آٹھ بجے تک ٹھہر سکتی ہوں اگر آپ کہیں باہر جائیں گے اور مجھے رات کو بھی بیوی کے پاس رہنا پڑیگا تو اسکی اُجرت چار آنہ فی شب کے حساب سے الگ لونگی۔

اختر نے بالکل اُسطرح، جیسے ایک مغلوب بادشاہ فاتح شہنشاہ کی، خارا شگاف تلوار سے مرعوب ہو کر بلا چون وچرا اسکی شرائط صلح تسلیم کر لیتا ہے، بوڑھی عورت کے جملہ مطالبات کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔

اختر شام کو گھر پہونچا تو ملازمہ اس کے ہمراہ تھی اختر نے شرائط ملازمت سے خجستہ کو بھی آگاہ کر دیا، اس نے سنکر کہا کہ ملازم تو ہم ہو گئے بڑی بی کا ہے کو ہوئیں ... ... مگر اختر نے کہا یہاں کی بھی کیفیت ہے اب تو خاموش رہو اپنے حُسن سلوک سے بڑی بی کو خوش رکھو گی تو وہ نرم ہو جائیں گی۔ بہرحال "جمرت بائی" کی باقاعدہ تعیناتی عمل میں لائی گئی، اور انھوں نے چار بجے باورچی خانہ کا چارج لے لیا آج چونکہ پہلا دن تھا اسلئے انھوں نے اپنی طباخی کے خوب خوب جوہر دکھائے اور اگرچہ اس انہماک میں انکا وقت زیادہ ضائع ہو گیا،

تاہم انھوں نے ایک روپیہ کا گھی صرف کرکے تین چار قسم کی نہایت لذیذ ترکاریاں تیار کیں، اور جب دسترخوان بچھایا گیا تو ایک کنارے بیٹھ کر پانی کے گلاس سے شغل کرتے ہوئے "جمرت بائی" نے اپنی فنی مہارت، ترکاریوں کی توصیف و ستایش، روٹیوں کی پخت وپز اور سب سے آخر میں اپنی مدح میں ایک طویل تقریر فرمائی، تقریر کا آخری جملہ یہ تھا ...... "میاں میں نے ہمیشہ رئیسوں، امیروں ہی کے یہاں ملازمت کی ہے اسلئے میری آنکھوں میں ایسے ویسے گھروں کی نوکری نہیں جچتی، جب ہی تو میں نوکری سے بچتی ہوں، مگر تمھاری دعا سے شہر میں شہرت ایسی ہے کہ سب کی نظر مجھ پر ہی پڑتی ہے، ایک دن بھی چین سے گھر میں بیٹھنا مشکل ہے"

خجستہ بڑی بی کے ان الفاظ سے بہت برہم ہوئی اس نے جھلّا کر کہا، بڑی بی تم ایسی باتیں ہمارے سامنے مت کیا کرو آیندہ احتیاط رکھنا،

بڑی بی بھی تھیں حاضر جواب اُنھوں نے تنکر کہا، بیٹی یہ زبان تو رئیسوں کے سامنے بھی نہیں رُکی، بس یہی تو مجھ میں عیب ہے کہ جو بات منہ پر آجاتی ہے، رُکتی نہیں،

شاید خجستہ اور کچھ کہتی لیکن اختر نے اشارہ سے منع کردیا۔ اور

بڑی بی کو کھانا دیکر رات بھر کے لئے عزت کے ساتھ رخصت کر دیا گیا،
رات کو جسقدر زیادہ وقت گذر گیا تھا بڑی بی نے صبحکو اسکی تلافی
یوں فرمائی کہ نصف گھنٹہ دیر کر کے تشریف لائیں،
رات چونکہ گھی زیادہ خرچ ہو گیا تھا جس کو دل ہی دل میں اختر نے
بھی محسوس کیا تھا، اسلئے خجستہ نے اسکا یہ بندوبست کیا کہ بڑی بی
کو گھی کا ایک اندازہ بتا دیا کہ اس سے زائد گھی صرف نہ کیا جائے،
بڑی بی نے اس "قید و بند" کو جس کا اثر براہ راست اُن کے فن اور
مفاد پر پڑتا تھا اچھی نظر سے نہ دیکھا، مگر ان کی ملازمت کے شرائط
میں یہ بات داخل نہ تھی اسلئے تسلیم کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا،
ایک مہینہ تک بڑی بی اپنی خدمت بقول شخصے مستحسن طور پر انجام
دیتی رہیں اگرچہ اس ایک مہینہ میں اور بھی چند ناقابل ذکر واقعات پیش
آئے - لیکن اتنے عرصہ میں اختر و خجستہ دونوں بڑی بی کے مزاج سے
واقف ہو گئے تھے، حجرت بائی نے بھی ان دونوں کے اچھے طرز عمل
سے متاثر ہو کر اپنی طبیعت کی خشونت کو دانستہ کم کر دیا بلکہ ایک حد
تک نرمی سے بدل دیا کیونکہ اب اختر کسی دن مشاعرہ کی شرکت کیلئے
یا انجمن اردو کے کسی جلسہ میں شامل ہونے کی غرض سے رات کیوقت
کہیں چلے جاتے ہیں تو بی حجرت ایک، ایک اور دو، دو بجے تک خجستہ

کے پاس بیٹھی ہوئی بیجاپور، حیدر آباد کی لڑائیوں کی داستانوں سے اسکا دل بہلاتی رہتی ہیں، بعض اوقات تو ان کے چوبیس گھنٹے ہی خجستہ کے پاس گذر جاتے ہیں۔

بہرحال اب وہ خجستہ سے بہت حد تک مانوس اور پردیس میں اسکی اچھی خاصی غمگسار ہیں۔

اس مہینہ میں اختر کے اتنے مصارف ہوئے کہ اگر کوئی معقول تنخواہ پانے والا آدمی بھی ہوتا تو اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں، مگر اختر اول تو اپنی طبیعت کی وارفتگی سے مجبور ہے اور اس نوع کی کشمکش سے اسکا دامن الگ ہی رہتا ہے۔ اگر کسی وقت اسکا ذہن اس موضوع پر متوجہ بھی ہوتا ہے تو وہ قصداً ٹال دیتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ خجستہ کے آتے ہی اسپر افکار کی وہ بلا مسلط ہو جائے جس سے باپ کے یہاں وہ کبھی دوچار نہیں ہوئی۔

(۴)

مہینہ کی پہلی تاریخ ہے، ہر وہ شخص جسکا تعلق نظام کے کسی دفتر سے ہے اپنے ماہانہ وظیفہ سے جیبیں پر کرکے دلشاد ہے۔ اورنگ آباد کی آبادی کا بیشتر عنصر سرکاری ملازمین پر مشتمل ہے اسلئے بازار میں کافی

رونق ہے، دوکانداروں کو ایک ہفتہ قبل سے پہلی تاریخ کا انتظار رہتا ہے
اور انکی ساری توجہ اس ہفتہ میں اپنی دوکانوں کو درست اور مکمل کرنے
کی طرف رہتی ہے، ہر مہینہ کی پہلی تاریخ گویا یہاں کے بازاروں کیلئے
"یوم عید" ہوتی ہے۔

کپڑے کی دوکانوں کو دیکھئے تو خریداروں کا ہجوم ہے، درزیوں کے
یہاں جائیے تو خاصہ بازار لگا ہوا ہے، کیونکہ ہر مہینہ کی تنخواہ سے کم از کم ایک
شیروانی تیار کرا لینا یہاں کی معاشرت میں داخل ہے۔

ہوٹلوں میں تو عجیب چہل پہل ہے، کسی کی ترقی ہوتی ہے تو اسکے
احباب نے مٹھائی کھانے کیلئے ہوٹل ہی کو منتخب کیا ہے، کوئی تیں ماہ
معطل رہنے پر بحال ہوا ہے تو جب تک فالودہ کا ایک ایک گلاس
دفتری بھائیوں کو نہ پلا دے گھر نہیں جا سکتا، کسی کا حسب منشا تبادلہ
ہوگیا ہے تو گویا ایک ایک پلیٹ بریانی کھلا دینا اس پر فرض ہی ہوگیا
چنانچہ آج بھی حسب معمول ہر شخص دفتر سے گھر جانے کے بجائے بازار
کے راستہ پر ہولیا۔

لیکن اختر ایک جیب میں تنخواہ کے روپیے، دوسری جیب میں
مصارف اور قرض کے حساب کا ایک پرزہ ڈالے ہوئے آہستہ آہستہ
گھر کی طرف چلا جا رہا ہے، کبھی تو یہ خیال ہوتا ہے کہ آج خجستہ کو میری

تنخواہ کا علم ہوجائیگا اور وہ یہ سمجھ کر کہ اسکا شوہر دفتر کا ایک معمولی کلرک ہے کسقدر ملول ہوگی، ممکن ہے ایسے غریب شخص کی بیوی ہونے پر اُسے افسوس بھی ہوا کبھی یہ سوچتا تھا کہ جن قرضی خواہوں کو اس تاریخ کا منتظر بنا رکھا تھا۔ ان سے کیونکر نپٹے گی۔ ایک تو پردیسی ملازموں کا اعتبار ویسے ہی کم ہے پھر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جس نے تنخواہ وصول کرنے پر بھی قرض ادا نہ کیا وہ اور کب دیگا! اور بالفرض ان کو اگر کسی لطیف حیلہ سے ٹال بھی دیا تو یہ پورا مہینہ کیسے بسر ہوگا؟

غرض اسی قسم کے تخیلات میں ڈوبا ہوا وہ گھر پہونچا۔ دروازے کی زنجیر ہلائی، خجستہ جس کے کان زنجیر در کی اس نغمہ پرور آواز پر لگے رہتے تھے، بیتابانہ، ننگے پاؤں دوڑی اور کواڑ کھولدئیے انسان کا چہرہ اسکی ذہنی کشمکش اور قلبی و دماغی واردات کا آئینہ ہوتا ہے، وہ اپنے تاثرات و جذبات کی اُن سطور کو جو صرف قلب و دماغ کے اوراق پر لکھی جاتی ہیں کتنا ہی چھپانے کی کوشش کرے، لیکن وہ جنکو خدا نے آنکھیں، اور ہمدردی و غمگساری کی عینک عطا فرمائی ہے، بلاتکلف اس تحریر کو چہرے کی کتاب پر پڑھ لیتے ہیں،

چنانچہ خجستہ نے اختر کے منہ پر نظر ڈالتے ہی اپنی فطری قیافہ شناسی سے معلوم کرلیا کہ وہ اسوقت غیر معمولی تفکرات میں مبتلا ہے۔ اسنے

ہمدردی کے اُس مخصوص لہجہ میں جو صرف بیوی ہی کے لئے وضع ہوا ہے، کہا۔

خجستہ ۔ کیوں خیر تو ہے، آج پریشان کیوں ہو؟

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلۂ کلام کو بدلکر کہا!

اخاہ! آج تو تنخواہ ملی ہوگی، دیکھوں کتنے روپے ہیں!

یہ کہہ کر خجستہ نے اختر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال دیئے، روپیے تو اس نے بھی خجستہ ہی کے سمجھ کر خاموشی سے اس کی سپرد کر دیئے، بالکل اسی طرح جیسے ایک سایہ دار درخت اپنے پکے ہوئے شیریں پھلوں کو زمین کے حوالہ کر دیتا ہے، البتہ حساب کو اس سے چھپانے کی کوشش کی، مگر خجستہ نے کاغذ چھین لیا۔ اختر نے کچھ کہنا چاہا لیکن خجستہ نے دانستہ اسکو نہیں سنا، پہلے اسنے جلدی جلدی روپیے شمار کئے اور وہ افسردہ ہونے کی جگہ نہایت مسرور ہوکر بولی۔

"خدا کا شکر ہے، کہ آج مجھے یہ دن نصیب ہوا" تیس روپے میرے لئے ہزار سے بھی زیادہ ہیں"

اختر جو الگ کھڑا ہوا مصنوعی ہنسی، ہنس رہا تھا اور احساس شرمندگی کے ساتھ اس امر پر غور کر رہا تھا کہ دیکھو ایک رئیس باپ کی بیٹی، اپنے غریب شوہر کے حقیر ہدیہ کو کیونکر قبول کرتی ہے؟ خجستہ کی اس

عالی حوصلگی اور بلند فطری پر حد درجہ متعجب ہوا، ان الفاظ کے سنتے ہی اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے شراب کا گلاس پلا دیا اور اسکے نشہ میں وہ سارے افکار کافور ہو گئے جنھوں نے دماغ میں جنون کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد ہی خجستہ کی اس معصومیت اور اپنی ناداری پر اُسے رونا آ گیا۔ اور اگر وہ منھ نہ پھیر لیتا تو اس کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو خجستہ کی نظر سے بھی پوشیدہ نہ رہتے، اختر نے منہ پھیر کر دستی سے آنسو پوچھ لئے،

لیکن جس عورت کا قلب، محبت و ہمدردی کا کبھی نہ سرد ہونے والا آتشکدہ ہو، اور جس کی رگوں میں گردش کرنے والے خون کا ہر قطرہ، غمگساری کے بیشمار طوفانوں کا حریف ہو اُس کی نگاہ سے آثار ملال کا چھپا لینا آسان ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ اسکی رفاقت و محبت کے کان بھی بہرے ہو جائیں اور اُن آوازوں کو نہ سن سکیں جو ایک دردمند دل سے قدرتاً ایسے عالم میں بلند ہوا کرتی ہیں، یا اسکی آنکھیں اُس نور سے خالی ہو جائیں جو دوسری آنکھ کے سات پردوں کی اوٹ میں مچلتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔

یہاں تک تو غنیمت تھا مگر اختر کو یہ ڈر لگا ہوا کہ خجستہ کہیں حساب کا پرچہ نہ دیکھ لے ورنہ اسکی یہ ساری معصومانہ مسرت سوڈے کا اُبال ثابت

ہو گی، لیکن خجستہ ایسی نادان نہ تھی اُسنے اختر کی کوشش راز ہی سے سمجھ لیا تھا کہ اس میں ضرور ہی کوئی بات ہے اسوجہ سے اس نے قصدًا تھوڑی دیر تک پرچہ نہ کھولا۔ کچھ توقف کر کے وہ کمرے میں گئی اور وہاں اس نے حساب کو بغور دیکھا، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اسکو پڑھ کر رنجیدہ ہوئی یا مسرور، کیونکہ عورت کا دِل اُس بند سیپی کی مانند ہے جس کے متعلق یہ کہنا دشوار ہے کہ اسکے پیٹ میں سچے موتی بھرے ہوے ہیں، یا چشم پُرآب کی طرح پانی کے چند قطرے!

خجستہ کو اپنی رنج وراحت سے زیادہ اختر کی دلداری مقصود تھی اس لیئے فورًا کمرے سے نکل آئی اور متانت کے ساتھ کہنے لگی،

خجستہ۔ گویا ۳۰ روپیے تنخواہ سے زیادہ صرف ہوئے، خیر کچھ مضائقہ نہیں، اصل میں میری ناتجربہ کاری سے ایسا ہوا اگر میں اب تک بیہوش نہ رہتی تو یقینا یہ مشکل پیش نہ آتی۔

اختر۔ مجھے شرمندہ نہ کرو، کوئی اور بات کرو۔

خجستہ۔ شرم کیسی، عورتوں کی بدسلیقگی سے مردوں کو دشواریاں پیش آئیں تو اسکی ذمہ داری عورت ہی پر ہے۔ مردوں کا کام صرف کمانا ہے، اور عورت کا فرض اسکو دانشمندی کے ساتھ صرف کرنا۔ اگر آمدنی سے خرچ بڑھ جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ عورت جس کے ہاتھ میں خرچ کا انتظام ہے

سلیقہ کے ساتھ اپنا فرض ادا نہیں کرتی مرد کا اسمیں کیا قصور ہے۔ اُسنے تو جو کچھ حاصل کیا وہ عورت کو سونپ دیا، یہ اسکا اندھاپن ہے کہ اس نے چادر کو دیکھ کر پیر کیوں نہ پھیلائے،

اختر۔ جب چادر ہی اتنی ہو کہ پیر پھیلانا تو رہا الگ، منھ چھپانے کیلئے بھی کافی نہ ہو تو پھر اوڑھنے والی کی کیا خطا ہے۔

خجستہ۔ وہ بھی تو خدا کی مخلوق ہے جو چادر میسر نہ ہونے پر آگ کی گرمی سے موسم کی سردی کا مقابلہ کرلیتی ہے۔ اچھا یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی، اب قرض ادا کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے، اب تک جو کچھ ہوگیا وہ تو میری غفلت سے ہوگیا آئندہ انشاء اللہ اس کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ دو آدمیوں کے واسطے تیس روپیے کم نہیں ہیں، اگر سمجھ سے کام لیا جائے،

اختر۔ اس معاملہ کو خدا پر چھوڑ دو، جس نے ضروریات پیدا کی تھیں۔ وہی مسبب الاسباب ہے۔

خجستہ۔ یہ توکل کی کوئی عمدہ مثال نہوئی۔ اسنے ضروریات کے ساتھ ہمیں عقل بھی تو دی تھی کہ ہم عقل کی روشنی میں دیکھیں، کونسی ضرورت واقعی ہے اور کونسی ہماری حرص و ہوس کا دھوکہ اور ہمارے تمدن و معاشرت کا مغالطہ، میری رائے میں یہ بہتر ہے کہ کسی معتبر آدمی کے ذریعے سے میرا یہ ''گلوبند'' گرو رکھ دیا جائے، اور اسطرح قرض کے بارسے سبکدوشی

حاصل کی جائے،
اختر (شرمندگی کے لہجہ میں) نہیں، نہیں، ہرگز نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، اس ذلّت کے مقابلہ میں مر جانا اچھّا،
خجستہ۔ توبہ کیجئے، توبہ، اپنے مال سے فائدہ اُٹھانے میں بتائیے کیا ذلّت ہے ہماری چیز ہے ہمیں اختیار ہے رکھیں یا بیچ ڈالیں، البتہ قرض کے بوجھ میں دبا رہنا حمیت کے خلاف ہے، میں ایک منٹ کے لئے بھی قرض دار رہنا پسند نہیں کرتی، اگر آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو میں حجرتؔ کے ہاتھ روپیہ منگا لونگی۔
اختر، کہیں خدا کے لئے ایسا نہ کرنا ورنہ میری ناک ہی کٹ جائیگی۔
خجستہ۔ اسمیں ناک کٹ جانے کی کیا بات ہے۔ ہاں قرض دار دروازے پر آیا اور اسکو کچھ نہ دیا گیا تو ضرور ایک قسم کی بے عزّتی ہے۔ اچھا پھر ٹربجی کو کیوں بیچ میں ڈالو، اپنی چیز ہے، ذرا آپ ہی جیب میں ڈالے بازار چلے جائیے اور روپیہ لے آئیے چھ تولہ سونے پر چالیس روپیہ دینے میں کسی کو تامل نہ ہوگا۔ ہر شخص آنکھ بند کر کے دیدیگا۔ اسوقت قرض سے سبکدوش ہو جائینگے اور روپیہ ہونے پر خدا نے چاہا تو جلد ہی اپنی چیز اُٹھا لیں گے، اسمیں دو فائدے ہونگے اوّل تو قرض ادا ہو جائیگا۔ دوسرے پردیس میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

اگرچہ یہ توہین اختر کے لئے ناقابل برداشت تھی تاہم خجستہ کی تجویز اتنی معقول تھی کہ اس سے انحراف کرنا بھی مناسب نہ تھا، کیونکہ قرض کا ادا کیا جانا جسقدر ضروری تھا اس سے کہیں زیادہ روپیہ کا حاصل ہونا دشوار۔ اختر کے احباب میں ایسے لوگ نہ تھے کہ وہ ان سے روپیہ لیکر اس بوجھ کو اتار دیتا، چونکہ اہل محلہ کے ساتھ وہ کم آمیزی کا اصول برتتا تھا اس لئے محلہ میں اتنا رسوخ نہ تھا، جو تھوڑا بہت اثر تھا وہ اتنے بڑے اعتماد کے لئے ناکافی تھا، ان اسباب کی بنا پر طوعًا و کرہًا اسنے اس تجویز سے اتفاق کر لیا، جیسے ایک آدمی ہر طرف سے مایوس ہو کر خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے،

خجستہ نے اپنا گلوبند اتار کر اختر کو دیدیا۔ اور وہ بغیر کچھ کہے، سُنے باہر چلا گیا۔ اس نے کرنے کو تو یہ جرأت کر لی لیکن سخت پریشان اور شرمندہ تھا، کہاں جائے، کس سے کہے، اسکا تمام بدن پسینہ سے تر تھا اور پیر بے ارادہ بازار کی طرف اُٹھتے چلے جا رہے تھے، اسوقت اسکی حالت بالکل اُس وحشی جانور سے ملتی جلتی تھی جو پہلی مرتبہ جُوے کا بُوجھ کاندھے پر اُٹھا کر آبادی میں داخل ہوتا ہے اور ہر قدم پر اس کی وحشت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ جُوا ڈالکر بھاگ جائے، مگر، گردن کی سخت بندش ارادہ کی تکمیل میں حائل ہو جاتی ہے۔

تقریبًا نصف گھنٹہ کی رد اروی میں وہ بازار سے گذر کر شہر کے اس

حصّہ میں پہونچگیا ۔ جہاں مہاجنوں اور جوہریوں کی دوکانیں، اپنی قیمتی اشیا کی نمایش سے سرمایہ داری کا مظاہرہ کر رہی تھیں، اس نے ہمت کرکے بالکل اسی طرح جیسے ایک شخص مصمم ارادے کے ساتھ آنکھیں بند کرکے کوئیں میں کود پڑتا ہے، ایک جوہری سے کہا،

اختر، جناب مجھے چالیس روپیے کی سخت ضرورت ہے اگر آپ دیسکیں تو اطمینان کے لئے یہ "گلوبند" رہن رکھ لیجئے۔

جوہری نے نیچے سے اوپر تک اختر کو دیکھا، اختر کو ایسا معلوم ہوا کہ اسکی آنکھ سے سیکڑوں شعلے نکل نکل کر اسکے جسم ولباس میں پیوست ہوگئے ہیں اور ان کی حدت سے اس کی رگ رگ کی وہ حالت ہوگئی ہے۔ جو بالوں کی آگ کے پاس پہونچکر ہوجایا کرتی ہے۔ اس میں یہ تاب نہ تھی کہ جوہری کی آنکھ سے آنکھ ملا سکتا۔ جوہری نے پوچھا،

"آپ کہاں رہتے ہیں"

" اختر نے کہا یہیں اورنگ آباد میں رہتا ہوں"

" شاید آپ پردیسی ہیں"

" جی ہاں مگر تحصیل کے دفتر میں ملازم ہوں"

" مجھے کس طرح اطمینان ہو کہ گلوبند آپ ہی کا ہے، معاف فرمائیے یہاں اکثر اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں کہ ایک شخص مشتبہ

مال فرضی نام سے رہن رکھ کر چلا گیا" اور ہم کشاکش میں پڑ گئے"
جوہری کے یہ الفاظ، تیر سے زیادہ چبھنے والے، چنگاریوں سے زیادہ گرم، اور تلوار سے زیادہ تیز تھے، جس طرح تیر سینہ میں اتر کر آدمی کو بیچین اور جیسے چنگاریاں بدن سے چمٹ کر انسان کو بیتاب، اور تلوار کھال کو کاٹ کر اسکو بسمل بنا دیتی ہے، اسی طرح اختر کو ان الفاظ نے بدحواس کر دیا مگر اسنے سخت بخار کے مریض کیطرح ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا،
"میں ہر طرح آپ کا اطمینان کرنے کو تیار ہوں آپ کو میری شرافت پر شبہ نہ کرنا چاہیئے"
"میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ آپ چور ہیں" میں ایک قانونی بات کہتا ہوں اور قانون کی نظر میں ہر شخص مشتبہ ہے"
"پھر جسطرح آپ چاہیں اطمینان کر لیں"
"آپ کو پولس کی چوکی میں چلکر اپنا نام اور پتہ، گلوبند کا وزن اسکی قیمت، اور حلیہ لکھانا پڑیگا"
"لکھا دونگا"
چنانچہ اختر نے جوہری کے ایک ملازم کے ہمراہ پولس کی چوکی میں جا کر اس ہنشار کی تکمیل کر دی۔ جوہری نے ایک آنہ روپیہ کے سود پر چالیس روپئے اختر کو دیدیئے۔ جن کو لیکر وہ گھر چلا آیا، لیکن ہر ہر قدم پر قرض سے

بچنے کے وہ تلو تلو عہد کرتا تھا، گھر پہونچتے پہونچتے اس نے مضبوط ارادہ کرلیا کہ دو وقت بھوکا بیٹھ رہنا گوارا ہے مگر قرض لینا اچھا نہیں، اختر روپے دو گھنٹے کے بعد گھر واپس آیا اور آتے ہی دردِ سر کا بہانہ کر کے لیٹ رہا۔

خجستہ نے فہرست ہاتھ میں لی اور بڑی بی کو روپئے دیکر سب دوکانداروں سے رسیدیں منگالیں آخر میں بڑی بی کو بھی اس نے تنخواہ کے علاوہ ایک روپیہ بطور انعام دیکر کہا، کہ آج سے آپ بھی تکلیف نہ فرمایئے میں خود ہی کام کرلیا کرونگی، ویسے آپ کا گھر ہے جب مزاج چاہیے آیئے،

بڑی بی کو اس گھر سے ایک ہی مہینہ میں وہ اُنس ہوگیا تھا کہ چلتے وقت اُنکی آنکھیں آنسو برسائے بغیر نہ رہ سکیں۔

(۵)

کہتے ہیں عورت کی فطرت کمزور، اسکا ارادہ ضعیف اور تخیلات محدود ہوتے ہیں، لیکن بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ان الزامات کو عملاً غلط ثابت کردیتی ہیں

عورت و مرد کی فطرت میں تو غالباً کچھ زیادہ فرق نہیں کہ انسان ہونے کی حیثیت سے جو فطرت مرد کی ہوتی ہے وہی عورت کی بھی ہوسکتی ہے۔ البتہ

صنف تبدیل ہو جانے سے گرفتگی و نزاکت کا لطیف فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے مگر ایک چیز نازک ہو کر بھی مضبوط ہو سکتی ہے جیسے سخت و گرفت شے کا حد درجہ کمزور ہونا ممکن ہے،

اس کے علاوہ خوبصورتی اور نزاکت دونوں لازم و ملزوم ہیں کیونکہ جمال یعنی خوبصورتی ہی سے نزاکت وابستہ ہے گویا حسن ہی کا ایک پر کیف اخر ہوتی ہے نزاکت! یا بہ تعبیر دیگر یوں سمجھ لیجئے کہ حسن اگر شراب ہے تو نزاکت اسکا خمار۔ بہرحال نزاکت، حسن سے پیدا ہوتی ہے، اور حسن جس چیز کا نام ہے وہ مزاج کی کمال صحت پر موقوف ہے کہ بغیر مزاج کے طبی اعتدال کے حسن کی روحانی صفات قالب خاکی میں جلوہ گر نہیں ہو سکتیں مزاج کا صحیح اور معتدل ہونا، فطرت، اخلاق، نیز دیگر غیر حسی اوصاف کی پاکیزگی و سلامتی کو مستلزم ہے، ظاہر ہے کہ ارادے کی کمزوری و قوت کا تعلق بھی انسانی فطرت و اخلاق ہی سے ہے اسلئے مختصر طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ نزاکت پیدا ہوتی ہے حسن سے، حسن ایک تعبیری نام ہے۔ مزاج کی صحت اور اس کے اعتدال کا، اور مزاج کی صحت کے لئے اخلاق کی بلندی، فطرت کی کوہ وقاری لازم ہیں اور جس شخص کی فطرت عالی، اخلاق بلند ہوگا اسکے ارادے میں بھی حد درجہ پائداری ہوگی،

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جس صنف کو حسن و جمالی کے اعتبار سے مردوں کے

تفوق حاصل ہے، اس کی فطرت پر کمزوری اور ارادے پر ضعف کا الزام کسی
جاہل دماغ کی اختراع ہے،

اب رہا عورت کے تخیلات کا مسئلہ، سو ظاہر ہے کہ تخیلات زیادہ تر
ماحول، تربیت، اور علم سے وابستہ ہیں ماحول جسقدر عمدہ، تربیت جسقدر
پاکیزہ، علم جس حد تک مفید اور وسیع ہوگا تخیلات میں بھی وہی عمدگی ویسی
ہی پاکیزگی، اور اتنی ہی وسعت ہوگی۔

گویا عورت کی فطرت، اس کے ارادے، اور خیالات کو مردوں کے
انھیں اوصاف کے بالمقابل ہیچ سمجھنا علمی نقطۂ نظر سے بھی قابل التفات
نہیں۔

عورت جو عزم کر لیتی ہے، اُسے کوئی قوت متزلزل نہیں کر سکتی۔ کچھ
اسی نوع کی ذہنی طاقتوں کے حددرجہ جوش و خروش میں ابتدا ہوئی خجستہ
کے اُن نسوانی مجاہدات کی جو کفایت شعاری، سلیقہ مندی، اور اپنے پیروں
پر آپ کھڑے ہونے کی قابلیت سے متعلق ہیں۔

باپ کی امداد سے قطع نظر کر لینا تو کوئی ایسا اہم کام نہیں کہ اسکی
نسبت سے خجستہ ایسی سلیم الفطرت عورت کے محاسن باطنی میں کوئی اضافہ
ہوسکے کیونکہ ہر دوشیزہ جو عصمت حسن کیساتھ باپ کے گھر سے نکلکر شوہر
کے ڈولہ میں قدم رکھتی ہے، اُسکی دنیا بالکل بدل جاتی ہے، پھر عمر کا یہ

زبردست انقلاب توقعات کے مرکز کو بھی تبدیل کر دیتا ہے، جو نگاہیں
کبھی ماں، باپ سے طلب امداد کی متوقع ہوتی تھیں، اب وہ ایک بیگانۂ
محض ہستی کے سینہ میں اُتر کر، اسکی روح کو اپنی اعانت و خبر گیری
کے واسطے بیدار کرتی ہیں،

گویا شادی کی سنہری تاریخ سے، لڑکی کے دل میں قدرتاً یہ خیال
قائم ہو جاتا ہے کہ باپ کی کمائی میں اب میرا کوئی حصہ نہیں رہا، یہی خیال
ہے جو بعض عورتوں کو اپنا شرعی حق لینے سے بھی انکار کرنے پر آمادہ کر دیتا
ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے اس قدرتی احساس کو ٹھکرا کر کوئی عورت
اس میں شریک ہو جائے۔

لیکن خجستہ نے کفایت شعاری اور پس اندازی کے بہادمیں جو ارادے
کئے تھے، ان سے اس کی فطرت اور اس کے تخیل کی بلندی کا بہت
اچھا ثبوت ملتا ہے، اور وہ عورتوں کی تاریخ میں زرّیں حروف سے لکھے
جانے کی قابل ہیں،

جمرت بی کو الگ کر کے اپنی آمدنی کے چار روپیوں کو بچا لینا اور
اس سلسلہ میں ایک بڑے کام کے بوجھ کو اپنے کاندھوں پر اُٹھا لینا
اسکے ان مردانہ عزائم کی پہلی قسط تھی،

چنانچہ ایک مہینہ کی غیر معمولی محنت و مشقت کے بعد اگرچہ کوئی اور

رقم پس انداز نہ ہوسکی، تاہم بڑی بی کی تنخواہ ضرور بچ رہی جس کو اس نے اپنی محنت کا بہت بڑا حاصل سمجھا، اب اس کو فکر ہوئی، اس رقم سے کام لینے اور اسکو محفوظ کرنے کی،

حفاظت کا سب سے بہتر طریقہ تو اسکا ڈاک خانہ میں جمع کر دینا تھا، لیکن جہاں سے سو روپیہ پر ایک سال میں صرف تین روپیئے ملتے ہوں وہاں سے چار روپیہ پر ایک مہینہ میں کیا ملسکتا تھا؟ اور خجستہ کی تمنا یہ تھی کہ نہ صرف یہ روپیئے محفوظ رہیں، بلکہ ان کے ذریعہ سے کچھ اور بھی ملتا رہے،

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں بدیشی مال کا مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جارہا تھا اور سب سے زیادہ بدیشی کپڑے کے استعمال کو مفاد ملک کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے چرخہ تقریباً ہر جگہ مقبول ہورہا تھا اور اسکی آواز ہر گھر میں گونج رہی تھی، دیسی کپڑے کی مانگ سے سوت کی قیمت بھی بہت بڑھ گئی تھی باوجود اس کے چرخہ چلانا شرافت نسبی، غیرت قومی کو کچھ نقصان نہ پہونچاتا تھا۔ حتی کہ اکثر مردوں نے بھی اس مشغلہ کو بے انتہا مفید سمجھ کر اپنے لئے ضروری قرار دے لیا تھا۔ یہ سب باتیں تھیں جو خجستہ تو خجستہ، جاہل سے جاہل عورت کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھیں، خجستہ نے غور کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اس رقم کو چرخہ، روئی اور

اس کے دوسرے ضروری سامان پر صرف کرنا چاہیئے۔ اور اپنے خالی اوقات میں چرخہ چلانے کی مشق کرنی چاہیئے، ممکن ہے کہ میری محنت، اس صورت سے کوئی مفید نتیجہ پیدا کر سکے، اگر خدانخواستہ کوئی اقتصادی فائدہ نہ بھی ہوا جس کا بہت کم امکان ہے تو کم از کم ایک قومی کام ہی میں اس عنوان سے شرکت ہو جائے گی، مشکل یہ تھی کہ تنہا اُسی کی رائے پر اسکا انحصار نہ تھا بلکہ اختر سے مشورہ کر لینا بھی ضروری تھا۔ ایک دن رات کے وقت جب اختر، دفتر سے لائی ہوئی مسلوں کی تکمیل میں مصروف تھا اسنے التجا کے لہجہ میں کہا،

خجستہ۔ کیوں جی؟ یہاں چرخہ کتنے میں ملجاتا ہے۔

اختر۔ (چونک کر) کیوں؟

خجستہ۔ مجھے ایک چرخہ کی ضرورت ہے،

اختر۔ کیا کروگی۔

خجستہ۔ سوت کاتا کروں گی، سُنا ہے آج کل سوت کا بھاؤ بہت چڑھ گیا ہے،

اختر۔ ہاں، ہاتھ کا کاتا ہوا سُوت، ولایتی سوت کے مقابلہ میں گراں ہے مگر یہ تمہیں سُوجھی خوب، بھلا تم سُوت کاتنا کیا جانو، اور بفرض محال اگر سخت کوشش کے بعد کچھ کات بھی لو تو "کوہ کندن و کاہ برآوردن"

سے زیادہ نہیں۔ گھر کا اور رہی کام تمھارے لئے کیا کم ہے۔
خجستہ، گھر میں اور کام ہی کیا ہے دن بھر بیٹھی مکھیاں مارا کرتی ہوں، طبیعت الگ پریشان ہوتی ہے یہ مشغلہ ہوگا تو دل بہلتا رہیگا، اگر کوئی مالی فائدہ نہ ہوا تو ایک قومی تحریک میں شرکت تو ہو جائیگی۔ آپ کے پاس جو اخبار آتا ہے اسمیں تو چرخہ کی بڑی تعریف ہوتی ہے
اختر۔ چرخہ کی برائی اور اسکی تعریف مقصود نہیں، پہلے اپنی فرصت پر نظر کرنی چاہیئے، میرے خیال سے تو یہ کہنا درست نہیں کہ تمھیں گھر میں کام نہیں، کیونکہ میں جب تک گھر رہتا ہوں تمھیں ہر وقت مصروف ہی دیکھتا ہوں۔ چائے پکانا، کھانا تیار کرنا، اور سینا ہی کیا کم کام ہیں قومی کام بیشک ہے مگر جسکو گھر سے ہی مہلت نہ ملتی ہو وہ قوم کیلئے کہاں سے وقت لائے،
خجستہ۔ خیر آپ تو ایک چرخہ منگا دیجئے، وقت ملا کریگا تو بہتر، ورنہ رکھا ہی رہیگا۔
اختر۔ بیکار چیز کے رکھنے سے کیا فائدہ۔
خجستہ۔ بعض اوقات بیکار چیز بھی کار آمد بن جاتی ہے اور پھر چرخہ تو شرفاء کے گھروں کی خاص چیز ہے
اسقدر گفتگو کے بعد اختر خاموش ہو گیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ خجستہ کا

جوشِ عمل سرد ہونے والا نہیں ایک کام کو انتہا تک پہونچائے بغیر چھوڑ دینا اسکی فطرت کے خلاف ہے۔

(۶)

انسان چونکہ فطرتاً آرام و راحت کا دلدادہ ہے، اسلئے محنت اس کیلئے نہایت صبر آزما ثابت ہوتی ہے، پھر وہ سخت محنت، جس میں جسمانی قوتوں کے ساتھ خون بھی پسینہ ہو کر بہنے لگے، لیکن قدرت جس نے مشقت ہی کے پردے میں، اور سعی عمل ہی کی آڑ میں اپنی رحمتیں پوشیدہ رکھی ہیں، اس ہستی کو عزت و امتیاز کے لئے انتخاب کرتی ہے جو دنیا میں رہ کر ہر مصیبت کو تبسم لب اور ہر محنت کو حوصلہ مندی کے ساتھ قبول کرلے،

ایک مالی مئی، جون کی سخت گرمی میں اپنے باغ کے لئے جس قدر حوصلہ شکن مشقتیں گوارا کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ باغ کے لطیف و شیریں پھلوں سے لذت اندوز ہوتا ہے، اور وہی چمن جس کے لئے اپنے دھوپ کی تیزی، لوہ کی گرمی کا ماتھے پر شکن ڈالے بغیر مقابلہ کیا تھا، اسکے لئے "باغ رحمت" "اور گلشن جنت" بنجاتا ہے۔

جہاز کا ایک معمولی مزدور جو اپنی ٹھنڈی راتوں کی میٹھی نیندیں، اور پُر فضا صبح کی دل کھلا دینے والی مسرت بیز ہوائیں محنت کی بیداری اور

انجن کے گرم دھوئیں پر نثار کر دیتا ہے بالآخر ایک دن وہی اسکا ناخدا بنکر حکومت کرتا ہے،

بہرحال محنت خواہ کتنی ہی تلخ و بدمزہ کیوں نہ ہو اسکا پھل نہایت میٹھا ہوتا ہے، حقیقتاً اسی قسم کے تصورات نے جنہوں نے اختر جیسی نازو نعم میں پلی ہوئی لڑکی کو چرخہ کی محنت شاقہ برداشت کرنے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ وہ چرخہ، روئی وغیرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اب صرف اسکے نتائج کا ظہور باقی رہا جو بالکل اسکی قوت بازو سے وابستہ تھا،

دوپہر کو جب اختر اپنی چکی پیسنے دفتر چلا جاتا اختر کواڑ بند کرکے چرخہ بچھا کر بیٹھ جاتی اور گو چرخہ کا ایک چکر پورا ہونے تک دس مرتبہ تار ٹوٹتا۔ مگر ہر مرتبہ اسکی ہمت نئے جوش کے ساتھ آغاز کار پر آمادہ ہو جاتی، جب گھنٹوں مسلسل محنت کرنے سے بھی وہ اپنے کام میں حسب دلخواہ کامیاب نہیں ہوتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں، لیکن حوصلہ کی گرمی جلد ہی آنسو خشک کر دیتی ہے اور وہ اُسی سرگرمی اور اُسی ولولہ سے اپنا کام شروع کر دیتی ہے، پہلے دن کی اس اُدھیڑبن میں وہ اسقدر تھک گئی کہ شام کا کھانا بمشکل پکا سکی، مگر اختر نے سرگذشت پوچھی تو اُسنے ہنسکر کہا آج پتہ چلا کہ چرخہ کاتنا کچھ بھی دشوار نہیں مگر میں اچھا سوت کاتنے کی عادت ڈالنا

چاہتی ہوں اسواسطے مجھے ابتداءً محنت کرنا پڑیگی"

اس کی زبان سے تو یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے اور ہاتھوں کی خستگی، بدن کا درد، کمر کی دکھن کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ ہمت مردانہ پر کارفرمانہ ہوئی تو آج کے بعد چرخہ کو ہاتھ بھی نہ لگاتی۔ لیکن اگلے ہی دن اُسنے پھر تازہ دم ہوکر اس جہاد پر کمرہ باندھی اگرچہ پہلے دن کی سی تھکن آج نہ ہوئی تاہم نتیجہ اس کے علاوہ کچھ نہ نکلا کہ اب وہ دھاگہ ٹوٹنے سے پہلے چرخہ کو پورا ایک چکر دینے لگی۔

پورے دس روز کی ریاضت، کے بعد اسنے صرف آدھ پاؤ سوت کاتا۔ اور سوت بھی کیسا، کہیں سے موٹا، کہیں سے پتلا، کہیں صاف، کہیں گرہ پڑی ہوئی مگر آیندہ کے لئے اسکی توقعات سرسبز ہوگئیں۔

چنانچہ آیندہ ایک ہفتہ میں سوت کا وزن پاؤ بھر تک پہونچگیا، اب اس نے بازوؤں میں ایک قوت، دل میں ایک اُمنگ محسوس کی، کامیابی کا نشہ اس کے لئے بہت ہی خوش آیند اور پرکیف ثابت ہوا، اس نے اپنی مشق اسی پیمانہ پر جاری رکھی اور ایک مہینہ پورا ہونے پر اسنے جو اپنے سُوت کو دیکھا تو گرہوں سے خالی ناہمواری سے معرا پایا، اور شروع سے آخر تک دھاگہ ایک ہی قسم کا معلوم ہوا۔

خجستہ نے اپنا امتحان لینے کی نیت سے سُوت کا آخری نمونہ

بازار بھجکر نرخ معلوم کیا تو سوت کے بیوپاریوں نے روپیہ کا تین پاؤ سوت خریدنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی اُسوقت جبکہ روئی کا نرخ ڈیڑھ سیر تھا، تین پاؤ کا سُوت فروخت ہوجانا نہایت عمدہ تجارت تھی،

خجستہ کو اپنی کامیابی پر بے انتہا خوشی ہوئی اس نے خاص تاثرات کے عالم میں خدائے قدوس کے سامنے سر جھکا دیا اور بہت ہی عاجزانہ انداز سے اسکی بے نیاز بارگاہ میں ہدیۂ تشکر پیش کیا۔

کامیابی کی مسرت کا تصور اگر آپ کے ذہن میں نہ آسکے تو اس طالب علم سے پوچھیئے، جسنے ایک سال تک راتوں کو جاگ کر اور اپنے آرام کے اوقات کو دماغی محنت پر صرف کرکے سالانہ امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہو کہ اسکا دماغ خوشی کا جو مرقع پیش کریگا وہ حقیقی ہوگا خجستہ جس نے چرخہ کے مدرسہ میں کامل ایک ماہ کی مصروفیت اور نہ معلوم آرام و راحت کی کسقدر قربانیوں کے بعد کامیابی کی یہ "سند" حاصل کی تو اُسے ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے ہفت اقلیم کی سلطنت اسکے پیروں میں ڈالدی،

آج اس کے باریک اور سُرخ ہونٹوں پر وہ تبسّم لوٹتا ہوا نظر آیا جسکی ہر لہر میں مسرت کے ہزاروں اتار چڑھاؤ پوشیدہ تھے،

قدرت جب مہربان ہوتی ہے، اور اسکا دست کرم جب جنبش میں آجاتا ہے، تو پھر وسعت داماں اور تنگی ظرف، کا سوال نظرانداز ہوجاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مانگنے والے کا حوصلہ طلب کتنا تھا اور کتنا اسکو دیدیا گیا، ایسے وقت میں سائل کا دست طلب مضمحل ہوجاتا ہے اور وہ کوتاہی دامن کا شکوہ کرنے لگتا ہے۔

چنانچہ قدرت نے جس دن کو خجستہ کی کامیابی کا دن مقرر کیا تھا اسی کو اختر کی خدمات کا صلہ دینے کی غرض سے معین فرمایا، جس وقت خجستہ اپنی خوشی میں شریک کرنے کے لئے نہایت اضطراب کے ساتھ اختر کا انتظار کر رہی تھی، اختر اپنی ترقی کا مژدہ سنانے کے واسطے تیزی سے گھر کی طرف چلا آرہا تھا،

دروازے کی کنڈی کو حرکت ہوئی، خجستہ زنجیر کھولنے کو دوڑی، ادھر اختر نے کواڑ کھلنے سے پہلے ہی دروازے میں دو تین دھکے لگائے اور جب خجستہ نے زنجیر کھولدی تو اختر نے اتنے زور سے کواڑوں کو دھکا دیا کہ خجستہ گرتے گرتے بچی،

اختر کا چہرہ جوش شادمانی سے سُرخ ہو رہا تھا، دل دھڑک رہا تھا، سانس چڑھی ہوئی تھی، اگرچہ اسنے شیروانی کے بٹن کھولدئے تھے اور قمیص کا گلا بھی کھلا ہوا تھا مگر پھر بھی وہ پسینہ میں بھیگا ہوا تھا

دل سینہ میں بجلی کا انجن بنا ہوا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ خجستہ جو میری مسرت
کو مجھ سے زیادہ محسوس کرتی ہے اس خوشخبری کو سنکر کسقدر مسرور ہوگی
اور یہی وجہ تھی کہ وہ جلد سے جلد یہ خبر خجستہ سے کہدینا چاہتا تھا۔

اسنے مکان کے صحن میں پہونچتے ہی، جب خجستہ کی نگاہیں اسکے
غیر معمولی تاثرات کا تجسس کر رہی تھیں، ایسے لہجہ میں جو خوشی سے
زیادہ تعجیل کا حامل تھا، ہنستے ہوئے کہا۔

اختر۔ لو ایک خوشخبری سنو ہماری بیس روپیہ ترقی ہوگی،

خجستہ۔ الحمد اللہ،

اختر۔ اب میں قانون گو ہوگیا، بیس روپے کے ساتھ آزادی، فرصت،
حکومت، اطمینان سب ہی کچھ تو خدا نے دیدیا۔ اگر کوشش کروں تو تنخواہ
سے دوگنا نفع ویسے حاصل کرسکتا ہوں

خجستہ۔ نہیں، ہمیں صرف تنخواہ کی ضرورت ہے ہمارے لئے وہی بہت
ہے، تیس ملتے تھے تو کونسی ضرورت بند تھی، اب تو خدا کے فضل سے
پچاس ملینگے جو خرچ سے بھی بچ رہا کرینگے،

اختر۔ اجی میں تو مذاق میں کہہ رہا ہوں ورنہ اختر وہ شخص ہو کہ اگر ایک لاکھ کا ڈھیر
بھی اسکے سامنے لگا دیا جائے تو وہ اپنے ضمیر اور اپنی دیانت کو فروخت نہیں کرسکتا

خجستہ۔ اور خجستہ بھی وہ عورت ہے کہ جو رقم ضمیر اور دیانت کو بیچکر اسکے

گھر میں لائی جائیگی اسکا وہ پیر کی ٹھوکر سے استقبال کریگی،
اختر۔ یہ فرید شکر کی بات ہے کہ خدا نے مجھے بیوی بھی حسب منشاء عطا فرمائی،
خجستہ۔ دبات کاٹ کر) ہیرے خیال سے ہم خدا کی اس مہربانی پر جسقدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے، سچ تو یہ ہے کہ اس نے ہم گنہگاروں پر بڑی ہی عنایت فرمائی،
اختر۔ بیشک وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے. کل رات کو میں تمہارے سو جانے کے بعد مثنوی مولانا روم دیکھ رہا تھا اتفاق سے وہ چند شعر میری نظر سے گذرے جو مومن کی دعا کے متعلق مولانا نے تحریر فرمائے ہیں، انکا مطلب یہ تھا کہ جب کوئی مخلص بندہ اپنے معبود حقیقی کے سامنے رو کر ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسکی آہوں کا دھواں آسمانوں کو چیر کر عرش اعظم تک پہونچ جاتا ہے فرشتے رو کر بارگاہِ قدس میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا تیرا ایک مخلص بندہ رو کر اپنی حاجت مانگ رہا ہے تو کہ غیروں کو بھی اپنی عنایتوں سے محروم نہیں رکھتا اور تیرے در پر ہر آرزومند ہاتھ پھیلاتا ہے اسکی حاجت بھی پوری کر، اس کے جواب میں خدائے تبارک کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس میں ہمارے بندہ کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ تاخیر عطا ہی اسکی عین دستگیری ہے، ہمیں اسکا رونا پسند ہے، کہدو کہ اور روئے کہ یہی

اسکا اعزاز ہے، اصل میں حاجت ہی نے اسکو ہماری طرف متوجہ کیا ہے اگر ہم جلدی سے اسکی ضرورت پوری کردینگے تو وہ پھر اُسی لہو ولعب میں مبتلا ہو جائیگا۔ ہمیں اس کی آواز بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ خصوصًا اسکا وہ خدا خدا کرنا، اور وہ اپنے خاص خاص راز ہم سے کہنا! ہائے۔

خوش ہمی آید مرا آوازِ اُو
واں خدا یا گفتن وآں رازِ اُو

ان اشعار کو پڑھ کر میرے قلب پر خاص اثر ہوا میں نے بھی اس خیال سے کہ شاید خداوند عالم کو میرا رونا بھی پسند آجائے آنکھیں آنسو بھر کر ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھادیئے اور مسلسل ایک گھنٹہ تک اسی طرح اپنی آرزوئیں مانگتا رہا۔ اس کے بعد اپنے اللہ سے باتیں کرتا ہی کرتا سو گیا۔ صبح جس وقت دفتر گیا ہوا ہوں ترقی کا گمان بھی نہ تھا اور ہوتا بھی کس طرح، ابھی ملازمت ہی کو کتنا عرصہ ہوا۔ اور پھر کوئی ایسا نمایاں کام بھی نہیں کیا تھا لیکن دفتر پہونچا تو تحصیلدار صاحب نے بلا کر وہ حکم مجھے دیا جو میری ترقی کے متعلق صادر ہوا ہے، معلوم ہوا کہ تحصیلدار صاحب سابق نے اپنے تبادلہ سے ایک ہفتہ قبل میری ترقی کی سفارش فرمائی تھی جسمیں لکھا تھا کہ یہ شخص کام کا اہل ہے۔ لیکن اس سے کام لیا نہیں جاتا

میری رائے میں اسکو فی الحال قانون گوئی کی جگہ پر ترقی دینی چاہیئے،
جسکا کام بھی یہ انجام دے رہا ہے ... ... اور حسن اتفاق دیکھو
کہ یہاں کے قانون گو جو رخصت پر گئے ہوئے تھے انھوں نے بھی انہیں
تاریخوں میں استعفا پیش کر دیا، بات تو یہ ہے کہ جب وہ مہربان ہوتے
ہیں تو اسباب بھی خود بخود موافق ہو جاتے ہیں ... ... اچھا! پھر
اس خوشی میں کیا تقسیم کرو گی میرے خیال سے پانچ روپیہ کی جلیبیاں منگا کر
محلہ میں سب کے یہاں بھجوا دو۔

خجستہ۔ اس سے کیا نتیجہ ہوگا سب یونہی کھا کر بیٹھ رہیں گے، اس سے
تو یہ بہتر ہے کہ محلہ والی مسجد کے حافظ جی اور ان کی بیوی، بچوں کو کپڑے
تیار کرا دیئے جائیں کل ان کی بیوی میرے پاس آئی تھیں۔ ان کے
بدن پر جیسے کپڑے میں نے دیکھے، خدا دشمن کو بھی نہ پہنائے۔ کرتہ پھٹا
ہوا، پاجامہ میں پیوند لگے ہوئے، اور دوپٹہ تو بس سر ہی پر رکھا تھا۔ خدا
نے ہم پر رحم کیا ہے تو ہمیں اس کی غریب مخلوق پر مہربانی کرنی
چاہیئے۔

اختر۔ بیشک یہ رائے بہت مناسب ہے۔ واقعی یہ لوگ نہایت غریب
ہیں۔ ایک دن بیچارے حافظ جی نے بھی مجھ سے اپنی مصیبت کا حال
بیان کیا تھا۔ غریبوں کو دونوں وقت روٹی بھی نہیں ملتی ... ... بھی

میرے ہاتھ میں پیسہ ہو تو میں تو ایسے لوگوں پر خوب جی کھول کر تقسیم کروں
خجستہ ۔ امداد کے مستحق بھی اسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، کسی کے آگے
ہاتھ پھیلائیں تو حمیت مانع، اور حقیقت کو چھپائیں تو کام کس طرح
سے چلے، غرض ہر طرح مصیبت ہی مصیبت ہے۔
اختر ۔ سچ ہے ... ... ہاں اور اب یہ اپنا چرخہ بھی الگ کر دو
خجستہ ۔ یہ کیوں آپ کو بُرا معلوم ہوتا ہے، آپ مشاعروں میں جاتے ہیں
تو میں اعتراض نہیں کرتی۔ آپ احباب میں بیٹھ کر ہنسی دل لگی میں وقت
گذارتے ہیں تو مجھے کوئی شکایت نہیں ہوتی، آپ کتابیں دیکھتے ہیں
تو میں کوئی گلہ نہیں کرتی۔ پھر میں اگر چرخہ سے اپنا دل بہلا لیتی ہوں تو
آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔
اختر ۔ خفا نہیں ہوتا مجھے تمہاری تکلیف سے رنج ہوتا ہے،
خجستہ ۔ یہ تکلیف نہیں میرے لئے راحت ہے، میں نے آج سوت کا نرخ
معلوم کرایا تھا، تین پاؤ کا بکتا ہے آپ ہی بتائیے ایک روپیئے کی روئی
میں دو روپیئے ہو جائیں تو کیا بُرے ہیں،
اختر ۔ لاحول ولا قوۃ، ہم تجارت کرنے یہاں آئے ہیں،
خجستہ ۔ تجارت کیا ایسی بُری چیز ہے؟ اور میں آپ سے تو تجارت
کرنے کو نہیں کہتی۔

اختر۔ نہیں صاحب! ضد نہیں کیا کرتے۔ تم اٹھاؤ اپنے چرخہ کو، اور اپنی بڑی بی کو بھی بلا لو، ممکن ہے ان بیس میں چار ان کی قسمت کے بھی ہوں۔

خجستہ۔ یوں دینے کو ہم انھیں دس دیدینگے مگر میں اب خادمہ رکھنا نہیں چاہتی۔ ترقی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم فضول خرچ ہو جائیں، انسان کو ذرا دوراندیشی سے کام لینا چاہیئے۔ میں نہ بڑی بی کو بلاؤں گی نہ چرخہ چھوڑوں گی،

(۷)

اختر نے قانون گوئی کے کام کو ایسی محنت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ کہ افسران بلا ستایش کئے نہ رہ سکے پہلے جو کاغذات ہفتوں بستہ میں بند پڑے رہتے تھے اختر کے زمانہ تعیناتی میں اکثر ایک ہی دن میں اور بہت کم دوسرے دن مکمل ہوکر جاری ہو جاتے تھے۔ مثلوں کی نگہداشت، کاغذات کی ترتیب، احکام کی صفائی اور سب سے زیادہ بے لوثی، دیانتداری یہ سب ایسی خصوصیات تھیں۔ جو اختر کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بہت کم دیکھی گئی ہیں۔ موجودہ تحصیلدار صاحب نے نے بھی اسکے ان اوصاف سے مطمئن ہوکر محکمہ بالا میں اسکی سفارش

لکھی اور اسکی خدمات پر افسران کو متوجہ کیا،

جو افسران دورے میں آئے انھوں نے بھی اس کے کام پر اظہار پسندیدگی کیا۔ جو کام دفتر میں ختم نہیں ہو سکتا اسکو وہ گھر لے آتا ہے۔ اور رات کے بارہ ایک بجے تک کی مصروفیت سے اسکو ختم ہی کر کے اُٹھتا ہے

اختر کے اس معمول سے خجستہ نے بہت فائدہ اُٹھایا ادھر وہ قلم دوات لے کر بیٹھا اور اُدھر اُسنے اپنا چرخہ سنبھالا۔ اختر ہزار منع کرتا، خفا ہوتا مگر وہ دھن کی پکی ایک نہ سنتی۔

ترقی کے دو ماہ بعد ہی خجستہ کے پاس اتنی رقم ہوگئی کہ اس نے آسانی سے چالیس روپئے کی رقم معہ سود ادا کر کے اپنا "گلوبند" چھڑا لیا بلکہ اس رقم کے علاوہ بھی اسکے پاس کچھ روپیہ ہوگیا۔

اختر کے چھوٹے بھائی یوسف، کی بھی ابھی شادی نہ ہوئی تھی اور اختر اسکی شادی جلد کر دینا چاہتا تھا مگر یوسف کے پاس جائداد کے سوا کوئی سرمایہ نہ تھا، جو ان مصارف کا کفیل ہو سکتا۔ نہ اختر میں استطاعت تھی کہ وہ اس معاملہ میں کوئی عملی قدم اُٹھانے کی جرأت کرتا لیکن جس روز سے اختر کو اپنی طرف سے کچھ اطمینان ہوا اسی روز سے اسکی اس فکر میں اضافہ ہوگیا، اسنے ایک مرتبہ خجستہ سے کہا۔

اختر۔ یوسف کی شادی ہو جاتی تو میری وہ خلش بھی مٹ جاتی جو اس کی

تنہائی سے میرے دل میں ہوتی رہتی ہے،

خجستہ۔ نسبت طے ہو جائے تو چلو اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جایئے

اختر۔ نسبت کے طے ہونے میں اب کیا رہا۔ آخر جمیل الدین صاحب نے لکھ ہی دیا کہ لڑکا بھی آپ کا ہے اور لڑکی بھی آپ کی، جب چاہو، آکر عقد کر لو،

خجستہ۔ کب میں نے وہ خط نہیں دیکھا!

اختر۔ ہاں میں نے دانستہ نہیں دکھایا۔ دکھا کر یہ تو بتاؤ کرتا کیا؟

خجستہ۔ اور چھپا کر کیا کر لیا۔

اختر۔ یہی کہ تم کو خواہ مخواہ تفکرات میں مبتلا نہ ہونا پڑا۔

خجستہ۔ اب ہو یا سال چھ مہینہ بعد یہ فکر تو بہر حال کرنا ہی ہے۔

اختر۔ ہاں اسمیں تو شک نہیں،

خجستہ۔ پھر اب تامل کس بات کا ہے، میرے خیال سے تو عید کی تعطیلوں میں چلکر یہ کام بھی کر ہی دینا چاہیئے۔

اختر۔ کر تو دینا چاہیئے، مگر مصارف کا کیا بندوبست ہوگا سفر خرچ تو رہا الگ، شادی کی ضروریات کیا کم ہیں، زیور کپڑا، کھانا، پہننا، ایک خرچ ہو تو کہا جائے مجھے تو ہر طرف خرچ ہی خرچ نظر آتا ہے،

خجستہ۔ سفر خرچ کی فکر نہ کیجئے، زیور اور کپڑا بھی موجود ہے اب رہا،

کھانا پہننا، یہ کوئی ضروری بات نہیں، جتنی ہماری اوقات ہے اتنا کرینگے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں،

اختر۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ سفرخرچ کا انتظام تم نے کر لیا ہے، تو زیور اور کپڑے کی موجودگی کا یقین کیونکر کیا جائے،

خجستہ۔ اس میں یقین نہ کرنے کی کونسی وجہ ہے، میرے پاس کیا زیور نہیں ہے خدا کے فضل سے تمام زیور میرے پاس ہیں کپڑے بھی اکثر ایسے ہیں جنہیں اب تک بدن سے نہیں لگایا گیا۔

اختر جو ایک عورت سے اس قسم کے ایثار کی توقع نہ کر سکتا تھا۔ اور جو سمجھتا تھا کہ زیور سے محبت کرنا عورت کا ایمان ہے۔ خجستہ کی اس گفتگو سے سخت متحیر ہوا۔ وہ غور کرنے لگا کہ خجستہ عورت ہے، یا کوئی دیوی، اسکے قلب میں طمانیت کی ایک ٹھنڈک پیدا ہوئی اور دماغ میں مسرت کی ایک چمک، اس نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا،

اختر۔ اپنا زیور دیکر تم کیا پہنوگی !

خجستہ۔ زیور پہننا کچھ فرض تو ہے نہیں، کہ اگر نہ پہنوں تو گنہگار کہی جاؤں، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ نہ پہنیں گے۔ اگر جی چاہے گا تو انشاءاللہ سال دو سال کے بعد پھر بنوالیں گے!

اختر۔ تمہارے والدین معترض ہوئے تو ؟

خجستہ۔ اول تو انھیں اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر ایسا ہوا تو اسکا تعلق میری ذات سے ہوگا میں ان کو مناسب جواب دے لوں گی، اور ایسا کہ ایک دفعہ کے بعد دوبارہ وہ کچھ نہ کر سکیں گے، آپ تو بے فکر ہوکر جمیل الدین صاحب کو لکھ دیجئے کہ شوال کے شروع میں یوسف کی رخصت ہو جائیگی،

(۸)

اختر نے جب اورنگ آباد سے روانگی کی تاریخ مقرر کی تو اس کے پاس اس مہینہ کی ایک سالم تنخواہ تھی جو مصارف سفر کے لئے کافی تھی، تاہم اسنے اطمینان کی غرض سے خجستہ سے پوچھا کہ تم کیا لے چلوگی تو اسنے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"تین سو روپے"

اختر مشکل باور کر سکا کہ خجستہ اتنی بڑی رقم پس انداز کر سکتی ہے مگر اس نے جب اسکی پچھلی باتوں پر غور کیا تو یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہ آئی۔

خجستہ نے پھر کہا، حیرت کی کیا بات ہے دس مہینے آپکی ترقی کو ہوئے۔ اور اس سے کچھ زیادہ مدت مجھے چرخہ کاتتے ہوگئی، اس عرصہ تک

ترقی کی کامل رقم پس انداز ہوتی رہی، اور رشوت کے فروخت سے جو کچھ حاصل ہوا اُسے بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

اختر کے لئے تین سو روپیہ کی موجودگی اسقدر مسرت بخش تھی کہ وہ اپنی جسقدر خوشی کا اظہار کرتا کم تھا۔ مگر وہ ایک سنجیدہ، اور خود دار انسان تھا اگر اسوقت اسکا جذبۂ خودداری مانع نہ ہوتا تو یقیناً اس قدر وہ کو شکر وہ رقص کرنے لگتا، اگرچہ اسکی روح اب بھی خانۂ دماغ میں مصروف رقص تھی،

اس کے دل سے تفکرات کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور اطمینان کا سورج نکل آیا۔ جس کی روشنی سے پریشانیوں کی تاریکی دور ہو گئی اس نے خاموشی کی اُس زبان میں جس کا مفہوم "گفتار" کے جامہ میں نہیں آیا کرتا، خجستہ کے حسن انتظام، کفایت شعاری، اور دور بینی پر تحسین کی اور اسکی وہ نگاہیں جنھوں نے خجستہ کے ظاہری حسن و جمال کے علاوہ اسکی پاکیزہ سیرت کے بہت کم نقوش پڑھے تھے۔ ذرا عمیق ہوئیں، اور اختر کو خجستہ کی ذات میں وہ جلوہ نظر آیا جو صرف اسی ہستی میں نظر آسکتا ہے جس کو ہماری مذہبی زبان میں "حور" سے تعبیر کرتے ہیں،

اختر نے اپنے جوش کو بہت دبایا مگر باوجود اس کے اس نے زبان کو اسقدر کہنے پر مجبور پایا،

اختر۔ تمہاری یہ قابلیت اور تمہارا یہ حسن انتظام جس کی بدولت مجھے تین سو روپیے کی بھاری رقم مل گئی، لائق داد ہے،

میں شادی سے قبل گھنٹوں اس مسئلہ پر غور کیا کرتا تھا کہ ہمارے مذہب میں عقد و شادی کی یہ سخت پابندیاں کیوں رائج ہیں، اور کیوں ایک ہستی کو دوسری ہستی سے ہمیشہ کے لئے منسلک کر دیا جاتا ہے، آخر اس سے ہمیں کون سے تمدنی اور معاشرتی برکات حاصل ہو سکتے ہیں، اگرچہ اب میری شادی ہو گئی تھی تاہم اس سوال کا دھندلا سا خاکہ میرے دماغ میں باقی تھا اور اگر خوش قسمتی سے تم مجھ سے وابستہ نہ ہو جاتیں تو غالبًا مجھے متعدد شادیوں کے بعد بھی اسکا صحیح جواب نہ مل سکتا، واقعی شادی بشرطیکہ "میاں بیوی" میں توافق مزاج ہو جائے خدا کی ایک نعمت ہے۔ اور پیغمبر خدا کی یہ سنت بیشمار برکتوں کی حامل ہے جو اس رشتہ کو چھوڑ کر کسی نوع سے میسر نہیں آسکتیں،

خجستہ جو سب سے زیادہ اپنی تعریف سے شرمندہ ہونے والی عورت تھی۔ اختر کی اس تقریر کو نہ سن سکی اور دھوپ میں پھیلے ہوئے کپڑوں سے اسطرح کھیلنے لگی گویا اس کے کان ادھر متوجہ ہی نہیں، اسکا سر جھکا ہوا تھا۔ بدن سمٹ گیا تھا، آنکھیں زمین پر جم گئی تھیں، اور بحیثیت مجموعی وہ "چھوئی موئی" کا پودا بنکر رہ گئی تھی۔

اختر اسقدر کہنے کے بعد خاموش ہوگیا مگر بار بار اسکے لبوں میں حرکت کا تلاطم اور زبان میں تکلم کا طوفان پیدا ہوتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ خجستہ کی ستائش کا سلسلہ ختم نہ ہو، مگر خودداری کی طاقتیں اس سے کہتی تھیں، کہ ایسے موقعوں پر زبان کی ہر جنبش اور ہونٹوں کی ہر حرکت، قلب کے سمندر سے جذبات کے صدہا سچے موتی نکالکر پھینکدیتی ہے جو پھر واپس نہیں ہوا کرتے، انکا دل میں چھپا رہنا ہی بہتر ہے جیسے سیپ، آبدار موتیوں کو اپنے پیٹ میں چھپائے رکھتی ہے اور وہ اندر ہی اندر بڑھتے رہتے ہیں حتے کہ لاکھوں روپئے کی قیمت پاتے ہیں اور صراحی دار گردنوں کا ہار ہوتے ہیں، چھوٹے موتیوں کا بڑے سے بڑا اشرف یہ ہے کہ آنکھ کا سہرا بن جائیں!

اختر باتوں کے ان موتیوں کو دل کے جوف میں بڑھنے دیتا تاکہ جب یہ بڑے اور پختہ ہوکر نکلیں تو اُن کو کانوں ہی میں جگہ ملے!

خجستہ نے کچھ دیر کے بعد کپڑوں کی تہ درست کرتے ہوئے سوال کیا!

پرسوں کی روانگی میں تو کوئی شک نہیں؟"

اختر۔ میں تو بالکل تیار ہوں صرف اتنا انتظار ہے کہ زنانہ رخصت میں کام کرنے کی غرض سے جو صاحب آرہے ہیں وہ آجائیں، اور مجھ سے چارج لے لیں،

خجستہ۔ فرض کیجئے کہ پرسوں تک وہ نہ آسکے،
اختر۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا، رخصت منظور ہو چکی ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو انتظام ہونا تھا، ہو چکا، غالباً آجکل میں کوئی آہی جائیگا،

(۹)

"پشاور ایکسپریس" سٹیشن پر ابھی طرح رکا بھی نہ تھا اور ایسے موقعوں پر بلند ہونے والی مخصوص آوازوں نے ابھی مسافروں کے ذوق سماعت کو دعوت التفات نہ دی تھی کہ اختر کی متجسس نگاہیں، یوسف کی منتظر نگاہوں سے متصادم ہوئیں برادرانہ جوش اخوت نے رگوں میں گرمی پیدا کی، خون میں جوش آیا، آواز بھرآئی اور بند ہو گئی، مگر آنکھوں نے زبان کی نیابت کا حق ادا کیا، گاڑی رکتے ہی جب دو بچھڑے ہوئے بھائیوں نے معانقہ کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ کائنات کے ہر ذرے میں جان پڑ گئی ہے اور وہ ابھر ابھر کر برادرانہ نگاہوں سے اس منظر لطیف کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اختر اس سے قبل بھی وطن کے اس اسٹیشن پر اترا تھا لیکن آج جو لطف اسکو حاصل ہوا وہ بالکل نیا تھا اس سے پہلے اسنے ناداری کی مصیبتوں میں زمین وطن پر قدم رکھا تھا، اسلئے اس کو کسی قسم کی

مسرت کا احساس ہوا تھا اب اس پر یہ بلا مسلط نہ تھی ۔ اور وہ پورے
جوش انبساط کے ساتھ وطن کی ہر چیز کو دیکھ رہا تھا، اور اچھی طرح
سُن رہا تھا کہ زمینِ وطن کا ذرّہ ذرّہ میرے خیر مقدم کے ترانے
گا رہا ہے ،

اختر کو یوسف کی شادی کے لئے زیادہ انتظام نہ کرنا تھا جس قدر ضروری
چیزیں تھیں وہ خجستہ کے ایثار سے سب مہیا ہو گئی تھیں صرف کچھ کپڑا
اور معمولی سامان لینا باقی تھا جس کے لئے زیادہ وقت درکار نہ تھا،

اس نے سب سے پہلے یوسف کے خسر جمیل الدین سے مل کر شادی
کی تاریخ ٹھہرائی اور خجستہ کے اصرار پر ایک ہفتہ سے زیادہ مدت اس
کے لئے مقرر نہ کی گئی ، چنانچہ ایک ہفتہ بعد یوسف کی شادی ، ایسے
سادہ اور بے تکلف طریقہ سے جس میں ایثار و محبت کی بے شمار رنگ آمیزیاں
شامل تھیں، سر انجام ہو گئی ، اور اس طرح اختر اپنی رخصت کے پہلے
ہی عشرہ میں اس کام سے جس کو وہ کسی طرح ایک زبردست مہم سے
کم نہ سمجھتا تھا، فارغ ہو گیا۔

یہ شادی اتنی مبارک ثابت ہوئی کہ اسکے دو ہفتہ بعد ہی چاند
بیٹے نے خجستہ کی گود آباد کی ۔ اول تو یوسف کی شادی اور وہ بھی آسانی
سے اختر کیلئے ایسی طرب انگیز تھی کہ اسکے خیال میں اسکے بعد مسرت

کے لیئے کوئی گنجائش نہ تھی مگر بیٹے کی ولادت نے اسکی حدیں بڑھا دیں اور اختر نے محسوس کیا کہ اب وہ ہر طرح کامیاب و بامراد انسان ہو،

جس روز بچہ کی رسم عقیقہ ادا ہونے والی تھی، خجستہ نے اختر کو بلا کر کہا۔

خجستہ، آپ نے زکیہ (یوسف کی بیوی) کو رُونمائی میں صرف پانچ ہی روپیئے دیئے،

اختر، اور تم نے کیا دیا،

خجستہ، میرے پاس کیا تھا؟

اختر، اور میرے پاس کیا ہے،

خجستہ، آپ پانچ روپیہ سے زیادہ قیمت کی چیز زکیہ کو دے سکتے ہیں،

اختر، وہ کیا،

خجستہ، اپنی تمام جائداد زکیہ کے نام کر دیجیے، خدا کے فضل سے آپ برسرکار ہیں، یوسف بیکار ہے، میں یہ چاہتی ہوں کہ اسکو اپنی بیکاری کا احساس نہ ہو۔

اختر کے بدن میں ایک تھرتھری اور روح میں ایک کپکپی پیدا ہوئی، جذبۂ ایثار نے اس کے قلب کو گرمایا، اس نے خیال کیا کہ جو کام مجھے خود کرنا چاہیئے تھا اب اس کو میں خجستہ کی یاد دہانی سے کرونگا، اگر

اب بھی اس معاملہ میں پس و پیش کرتا ہوں تو مجھے خجستہ کے زبردست ایثار سے شرمندہ ہونا پڑے گا، چنانچہ اختر نے نہایت خاموشی کے ساتھ خجستہ کی خواہش پوری کر دی،

قاعدہ ہے کہ خوشی کے دن بہت جلد گزر جاتے ہیں اور مہینوں تک مدت، گھنٹوں کی برابر ہو جاتی ہے، اختر کی رخصت کے تین مہینہ بھی کچھ ایسی تیزی سے گذرے کہ اس کو معلوم بھی نہ ہوا، جب صرف دو ہفتہ رہ گئے تو اس کی آنکھیں کھلیں، اسنے سامان سفر درست کرنا شروع کیا، پہلے اختر کا یہ قصد تھا کہ خجستہ کو ابھی یہیں چھوڑ دیا جائے گا، اس کے والدین کی بھی یہی منشا تھی، لیکن خجستہ کی یہ رائے نہ تھی وہ اختر کے ساتھ ہی واپس جانے پر تیار ہو گئی، جب تین جانوں کا یہ مختصر قافلہ عازم سفر ہوا ہے تو اختر کا خوش نصیب بیٹا "قمر" صرف سوا دو مہینے کا تھا اور اسی لئے یہ خیال تھا کہ ابھی اس ننھی سی جان کو زحمت سفر نہ دی جائے مگر خجستہ کی بات بھی ٹالی نہ جا سکتی تھی،

جب خجستہ کے صرف چار روز باقی رہ گئے تو اختر نے یوسف کو بہت سی نصیحتوں کے بعد بتھرا اسٹیشن پر "الوداع" کہتے ہوئے ایک سربمہر لفافہ جس میں جائداد کا ہبہ نامہ ملفوف تھا، اسکے سپرد کیا جسکو استعجاب کے ساتھ یوسف نے جیب میں رکھ لیا۔

(۱۰)

"منماڑ" اسٹیشن پر اختر اپنی گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا، کہ اس کے ایک دوست نے جو اورنگ آباد سے آ رہا تھا اس کو ترقی کی مسرت افزا نوید سنا کر کہا کہ تم گلبرگہ کی نائب تحصیلداری کیلئے نامزد ہو چکے ہو۔

اختر اور نائب تحصیلداری، بس ایک خداساز بات تھی جو قدرتاً پردۂ غیب سے ظہور میں آگئی، ورنہ حیدرآباد ایسی وسیع مملکت، جہاں ہر قسم کے لوگ ہر وقت موجود رہتے ہیں اور معمولی سی ملازمت کے لئے بڑے بڑے گریجویٹ منہ کھولے منتظر رہتے ہیں، وہاں اس نمایاں ترقی کی توقع کچھ زیادہ معنی خیز نہ تھی، اختر نے اس مقصدِ عالی کے حصول، اور اس فوز المرامی کو محض لطفِ خداوندی پر محمول کیا۔ اور اپنی جبینِ عبودیت بارگاہِ ایزدی میں جھکا دی، وہ دیر تک اس مژدہ پر بہ الفاظ شکر ادا کرتا رہا اور اس فرض کو اتنی محویت کے ساتھ پورا کر رہا تھا کہ اگر قلی اس کے شانہ کو جنبش نہ دیتا تو غالباً اسے گاڑی آ جانے کی خبر بھی نہ ہوتی۔

اختر نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو گاڑی پلیٹ فارم کے قریب

پہونچ چکی تھی، جلدی جلدی اسباب بار کیا، خجستہ کو سوار کر دیا پھر اپنے لئے اختر نے قریب تر جگہ تلاش کی، ان کاموں سے فارغ ہو کر اختر نے خجستہ سے کہا، ابھی تمھارا سفر ختم نہیں ہوا، مجھے نائب تحصیلدار کی حیثیت سے ابھی گلبرگہ جانا ہے، یقین ہے کہ اورنگ آباد سے جلد ہی ہمیں نئے مقام پر جانے کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ خجستہ نے پوری بات سننے سے پہلے ہی خدا کا شکر ادا کیا جو کیفیت اسوقت اسپر طاری ہوئی غالبًا اسکی تعبیر الفاظ میں وہ خود بھی نہ کر سکتی،

بعض واقعات ہی کچھ اس نوع کے ہوتے ہیں کہ نظام عصبی پر اُنکا اثر ہوتا ہے، روح ان کو محسوس کرتی ہے، مگر قلم یا زبان سے اس احساس اور تاثر کو ظاہر نہیں کیا جا سکتا، اورنگ آباد پہونچکر اختر دفتر گیا تو سب سے پہلے اس کی نظر سے جو کاغذ گذرا وہ اسکی ترقی کا پروانہ تھا۔ جس نے اس کے تشکک و توہمات کو یکسر ایقان و اطمینان میں تبدیل کر دیا اس ترقی سے اسکی تنخواہ میں چالیس روپیہ کا گرانقدر اضافہ ہوا،

اسکے احباب اور ہمعصر ملازموں نے اپنی پرجوش مبارکباد دل سے اسکی حیات شادمانی میں تلاطم بپا کر دیا۔

اختر کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک دن قیام کر کے گلبرگہ روانہ ہو جائے گا، لیکن مقامی انجمنوں کو جب اسکی شاندار ترقی کا علم ہوا تو

انھوں نے اختر کی خاموش اور پاکیزہ اُس ادبیت کا جو اختر کے سخت سے سخت انہماک کے باوجود بھی معطل نہ رہتی تھی، اعتراف کئے بغیر اس کو اورنگ آباد نہ چھوڑنے دیا۔

انجمن ترقی اُردو کے سرگرم کارکنوں نے اختر کو شان و شوکت کیساتھ الوداع کہنے کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں اسکی علم دوستی، ادب پروری، اور خداداد ملکۂ شاعری اس کی تخئیل و نظر کی رفعت، الفاظ و زور بیان کی ہمہ گیری پر اس کو مبارک باد دی گئی، اور اس کے اورنگ آباد چھوڑنے کو انجمن کے علمی خسارہ سے تعبیر کیا گیا۔

اس کے جواب میں اختر نے ارکان انجمن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنا ایک بہترین تاریخی و ادبی شاہکار "شعرائے عہد مغلیہ" انجمن کو بغرض اشاعت پیش کیا اور آخر میں ایک بند لفافہ بھی سکریٹری صاحب کے ہاتھ میں دیا جو گھر سے چلتے وقت خجستہ نے اسی لئے اسکی جیب میں ڈالدیا تھا اور جسکے متعلق خود اختر کو بھی حیرت تھی کہ آخر اسمیں ہے کیا؟

سکریٹری صاحب نے جملہ حاضرین جلسہ کی موجودگی میں لفافہ چاک کیا تو سو روپیہ کا ایک نوٹ برآمد ہوا جس کی پشت پر لکھا ہوا تھا،

"ہاتھ سے کتے ہوئے سوت کی آمدنی کا یہ حقیر نذرانہ
بیگم اختر کی جانب سے انجمن کے مفید کاموں میں صرف

کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے"

"بیگم اختر"

یہ علمی عطیہ اختر کے محاسن شعری و ادبی میں زبردست اضافہ ثابت ہوا، اور اس نذر کو اہل جلسہ نے سروقد کھڑے ہو کر نہایت احترام سے قبول کیا، جس وقت نوٹ پر لکھی ہوئی اس تحریر کو پڑھا گیا ہے تو اکثر شرکائے جلسہ خجستہ کے اس تغیر کو تعجب اور استحسان کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور اس کے بعد جب صاحب صدر نے اپنی تقریر میں چرخہ کے ساتھ خجستہ کا شغف، اسکی دوربینی، کفایت شعاری اور اس کے دوسرے ملکوتی اوصاف کا پُرجوش الفاظ میں تذکرہ کیا تو کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے دل میں اس مقدس خاتون کا جذبۂ احترام پیدا نہ ہوا ہو اور جس نے اس "مجاہدۂ قوم" کے پاکیزہ خصائل کو قابل تقلید نہ سمجھا ہو،

جناب صدر کے یہ الفاظ تو خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہیں، ... ... آج اگر ہماری قوم میں، خولہ بنت ازور، اور چاند سلطانہ، جیسی محترم خواتین موجود نہیں ہیں جن کی چمکتی ہوئی تلواروں نے بڑے بڑے شیروں اور جنگ جو حریفوں کی گردنیں مولی کی طرح کاٹ کر رکھدی تھیں اور جن کے خون کا قطرہ قطرہ ملت اسلام کی آبیاری میں صرف ہوا ہے، تو ہمیں خجستہ ایسی نیک نہاد اور پاک نفس عورتوں

ناز کرنا چاہیئے جن کی تقلید سارے ملک کے لئے برکت و سعادت کا روحانی پیام ہے۔ اگر ہماری ماں، بہنیں اور بہو بیٹیاں خجستہ کے نقش قدم پر چلنے لگیں تو یقیناً ہماری قوم افلاس و نکبت کے مصائب سے بہت جلد آزاد ہو جائے،

(۱۱)

گابرگہ پہونچکر اختر نے جب اپنے مکان میں قدم رکھا جو ریاست کی طرف سے نائب تحصیلدار کے لئے نامزد تھا، تو اسکا دل کنول کی طرح کھل گیا، وسیع عمارت، کشادہ صحن، جس کے وسط میں ایک خوبصورت بیضوی حوض، اور اسکے درمیان میں چھوٹا سا نل لگا ہوا تھا، جس سے اچھل اچھل کر پانی ہر وقت گرتا رہتا تھا۔ حوض کے چاروں طرف پھولوں سے لدے ہوئے گملے خوبصورتی سے رکھے ہوئے تھے،

اُس نے ہنسکر خجستہ سے کہا، خدا کا شکر ہے کہ اسنے سابقہ تکالیف کی نہایت اچھی تلافی فرما دی،

خجستہ۔ بیشک اس کی بندہ نوازی کے ہم جسقدر بھی مشکور ہوں بجا ہو

اختر۔ اس مکان میں تو تمہارا چرخہ کچھ بھلا نہ معلوم ہو گا،

خجستہ۔ میرے خیال میں اس کی موجودہ کمی صرف چرخہ ہی سے دور ہو سکتی ہے

اختر- کیا نوّے روپیہ بھی تمھاری ضروریات کے لئے کافی نہ ہونگے
خدا کے لئے اب تو اس مشغلہ کو ختم کرو، میری رائے میں ضرورت سے
زیادہ روپیہ کی تمنا ہوس میں داخل ہے۔

خجستہ- یہ بالکل درست ہے کہ روپئے کی حد سے زیادہ خواہش کو ہوس
ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جو روپیہ محنت
سے حاصل کرکے اچھے کاموں میں صرف کیا جائے۔ وہ اس تحت میں
نہیں آتا، نوّے روپیہ یقیناً ہماری موجودہ ضروریات سے زیادہ ہیں
مگر ہمیں اپنی آئندہ ضرورتوں پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ جسکا حال نہ مجھے اور
آپ کو اسوقت معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ خدا نے ہمیں اپنی طرف
سے فارغ البالی عطا فرمادی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنے دوسرے
بھائیوں پر التفات نہ کریں، آج اسی شہر میں بہت سی بیوہ عورتیں، اور
بیشمار یتیم بچے ایسے ہونگے جن کو کھانے کے لئے روٹی اور پہننے کے لئے
کپڑا بھی میسر نہ ہوگا تو کیا ایسی صورت میں ہمارا یہ کہنا جائز ہے کہ ہماری
ضرورتیں ختم ہوگئیں۔ مجھے خدا نے قوت دی ہے۔ کام کرنے کے لئے
وقت اور اطمینان عطا فرمایا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں اسکی بخشی ہوئی
ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوم کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی خدمت
نہ کروں۔ اب تک میں چرخہ کاتتی تھی اپنے لئے۔ اور اب یہ مشقت کرونگی

ان مستحقین کے لئے،

اختر کے کانوں میں مسلسل یہ الفاظ پہونچ رہے تھے اور وہ خجستہ کے مجسمے اور ان الفاظ میں نہایت ہوشمندی سے اُس علاقہ کو تلاش کر رہا تھا جو ایک بولنے والے اور اسکے منہ سے نکلی ہوئی باتوں میں ہوا کرتا ہے، وہ دیکھ رہا تھا کہ خجستہ عورت ہے مگر اس کے منہ سے وہ باتیں نکل رہی ہیں جن کو پیغمبروں اور نبیوں کی زبان سے ادا ہونا چاہیئے خجستہ کے دل کی کمان سے نکلے ہوئے ان تیروں نے اختر کے کلیجہ کو بھی چھید دیا اور اس کے دل میں وہ تڑپ پیدا کر دی کہ ایک بار وہ بھی قوم کے درد سے چیخ اٹھا، اس نے خجستہ کی روحانی بلندی کا یہ نقشہ دیکھ کر یقین کر لیا کہ جس عورت کے دماغ میں ایسے خیالات پرورش پائیں وہ عورت نہیں بلکہ "دنیا کی حور" ہے جس کی روح میں اب تک "عہد الست" کے نغمے گونج رہے ہیں۔

اختر نے متاثر ہو کر کہا، میں تمہارے اس مبارک خیال کی تائید کرتا ہوں، بے شک ہمیں قوم کے اُن بیکسوں کو نہ بھولنا چاہیئے، جن کی ایک چیخ عرش اعظم کو ہلا دینے کی طاقت رکھتی ہے میں عہد کرتا ہوں کہ اپنی تنخواہ کا بھی ایک معقول حصہ ان کی امداد پر صرف کروں گا،

خجستہ۔ آپ کو ذرا اطمینان ہو جائے تو ایک ایسی فہرست مجھے بنوا دیجئے جس میں شہر کے یتیم بچّوں اور بیوہ عورتوں کے نام ہوں، چونکہ ہمارے پاس اس نیک مقصد کے لئے زیادہ روپیہ نہیں ہے۔ اس لئے اس فہرست میں صرف انھیں لوگوں کے نام درج ہوں جو بے انتہا ہماری امداد کے محتاج ہوں اور کسی طرح اپنا پیٹ نہ بھر سکتے ہوں،

اختر، تقریباً ایک ہفتہ تک مجھے سانس لینے کی بھی مہلت نہ ہوگی، اسکے بعد انشاء اللہ پہلی فرصت میں یہی کام کرونگا،

ادھر اختر اپنے عہدے کا جائزہ لینے اور دوسرے ضروری مشاغل میں مصروف ہوا اُدھر خجستہ نے گھر کا سامان درست کیا ہر چیز کو مناسب جگہ رکھا، کمبوں، صندوقوں کے واسطے الگ، پلنگوں کے لئے جداگانہ کمرہ منتخب کرکے ان چیزوں کو سلیقہ سے رکھا ایک کمرہ باورچی خانہ کے لئے مخصوص کیا۔ جو ان کمروں سے ذرا فاصلہ پر واقع تھا اسی طرح پانی وغیرہ رکھنے کی غرض سے مناسب مقامات تجویز کئے۔ پھر کھانا تیار کیا، اب جو وقت بچا اس کو چرخہ میں صرف کیا،

اختر جسوقت دفتر سے واپس آیا ہے تو وہ اپنے تمام کاموں سے

فارغ ہو چکی تھی، اختر نے گھر کو دیکھا تو اسکی حالت ہی اور تھی، ہر چیز قرینہ سے اپنی جگہ پر رکھی تھی۔ اور جو جگہ جس چیز کے لئے تجویز کر دی گئی تھی وہ ایسی مناسب تھی کہ اگر اُس چیز کو وہاں سے اُٹھا دیا جاتا تو وہ جگہ خالی خالی معلوم ہونے لگتی،

ایک ہفتہ منقضی ہونے سے قبل ہی اختر نے خجستہ کی مطلوبہ فہرست مکمل کرادی، جس میں بیس بیواؤں اور پندرہ یتیم بچوں کے نام تھے، پانچ بیوائیں وہ تھیں جو اگرچہ موجودہ حالت میں لائق امداد تھیں مگر ان کے لئے عقد ثانی زیادہ بہتر تھا۔ اور اس کے بعد وہ کسی اعانت کی ضرورتمند نہ رہتی تھیں،

خجستہ نے سب سے پہلے ان کے عقد ثانی کی کوشش کی اس سلسلہ میں اسنے پچاس روپے صرف کرنے کا وعدہ کیا، اختر نے شہر کے با اثر لوگوں سے ملکر اس کی باقاعدہ تحریک شروع کی۔ چنانچہ دوسرے مہینہ میں یہ کام ہو گیا اب صرف پندرہ عورتیں باقی رہیں جن میں سے ہر ایک کو خجستہ اپنی حیثیت کے موافق دو روپیہ ماہوار دے سکتی تھی، جو اسی مہینہ سے اس نے دینا شروع کر دیئے

پندرہ بچوں میں آٹھ اس قابل تھے کہ اگر ان کو کام پر لگا دیا جائے تو وہ اپنا پیٹ پال سکیں، خجستہ نے اختر سے ان کی

سفارش کی، اختر نے ان کو مختلف مقامات پر ملازم رکھا دیا۔ بقیہ سات میں سے تین بچے ہونہار، تھے اور ان کی رگوں میں شرافت وحمیت کی گرمی موجود تھی، نیز تعلیم و تربیت قبول کرنے کی خاصی استعداد تھی ان تینوں کو خجستہ نے اپنی کفالت میں لے لیا، اور اپنی گود کو ان کے لئے "آغوش مادر" بنا کر پھیلا دیا، چار لڑکے اختر کی سعی سے اپنے اعزہ کے پاس پہونچ گئے، اور اس طرح قوم کا یہ بیڑہ جو آیندہ ہزار ہا افراد کی بربادی و خانہ بر اندازی کا ذمہ دار تھا، غرق ہونے سے بچ گیا،

خجستہ نے جس اہم کام کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا تھا اس میں بحیثیت مجموعی ساٹھ روپے ماہوار کا خرچ تھا، جس میں سے پچیس اور بہت زیادہ کوشش کرے تو تیس خجستہ خود اپنی محنت سے ادا کر سکتی تھی۔ باقی رقم کا بار اختر کی تنخواہ پر تھا۔

خجستہ کے تیس روپئیں اسکے چرخہ کی آمدنی، نیز وہ رقم شامل تھی جو ملازموں پر صرف ہونی چاہئے تھی اور ان کاموں کی انجام دہی جن کے لئے ملازموں کی ضرورت تھی خجستہ نے خود اپنے سر لے لی تھی، مثلاً خادمہ کے تمام کام وہ کرتی تھی، کھانا خود پکاتی تھی، پورے دو سال تک خجستہ نہایت ہمت و استقلال سے اس

جہاز کی ناخدائی کرتی رہی، اگرچہ باد مخالف کے سخت و تند جھونکے
حوصلہ شکن تھے تاہم اس جوان ہمت عورت کے باز و مردانہ قوت
عزم کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے، اس مدت کے ختم ہونے پر ایک
بچہ نے اور تین بیوہ عورتوں نے اسے اپنے خدمات سے سبکدوش
کردیا لیکن انکی تجہیز و تکفین میں اتنے مصارف ہوگئے جو غالباً ان کی نصف
سال کی خبر گیری کے لئے کافی ہوتے،

اب خجستہ کی امدادی جماعت دو بچوں اور بارہ عورتوں پر مشتمل تھی
لڑکوں کی تعلیم جاری تھی اور جس نسبت سے ان کی تعلیم میں ترقی ہوتی
تھی، اسی نسبت سے ان کے مصارف بڑھے تھے، جن کا قدرتی
انتظام یہ ہوا کہ اس جماعت میں چار جانوں کی اور کمی ہوگئی،

اختر حسب عادت حد درجہ مستعدی سے اپنے فرائض انجام
دے رہا تھا۔ اس کی دیانت، مستعدی کے سونے پر سہاگہ کا
کام دے رہی تھی، ان خصوصیات کے ماسوا اختر کی شیریں کلامی
اس کی مروت و رواداری اسکا صلہ رحمی، یہ سب ایسی باتیں تھیں
جنھوں نے چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اسکا گرویدہ بنادیا تھا
وہ نائب تحصیلدار تھا اور اس حیثیت سے اسکا عہدہ معمولی نہ تھا،
مگر اس میں وہی سادگی، وہی بے تکلفی اور وہی انسانیت تھی جو

نائب قانون گوئی کے زمانہ میں اسکا طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھی، اور
جسکو بعض کوتاہ نظر مجبوری کا نتیجہ کہا کرتے تھے،
بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ جس تدریج کے ساتھ اس کے عہدے
میں ترقی ہوتی رہی اُسی تدریج کے ساتھ اس کے لہجہ میں انکساری
اخلاق میں فتادگی، بڑھتی گئی، حتےکہ اب نائب تحصیلداری کی
حالت میں وہ ایسا مکمل انسان تھا کہ اسکے دامن پر فرشتوں کو بھی نماز
پڑھنے میں عذر نہ ہوتا۔

(۱۴)

نیک عادتیں، پاکیزہ اخلاق، جسطرح مخلوق کے قلوب کو جذب
کرلیتی ہیں، اور اس کے سینوں میں گنجائش پیدا کرلیتی ہیں، اسیطرح
قدرت بھی ان اوصاف کے حاملین کو اپنی رحمتِ کریمانہ سے نوازنے کو
منتخب کرلیتی ہے!
خداوندعالم اپنی مخلوق کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس کو
اپنے بندوں سے جو محبت ہے وہ ماں باپ کی شفقت کے مقابلہ میں
بیکراں کہی جاسکتی ہے، ...... تمھاری اولاد کے ساتھ تمھارے
سامنے جب کوئی بُرا سلوک کرتا ہے تو تمھارے خون میں اور تمھارے

جوشِ غضب میں کیسا ہیجان پیدا ہوتا ہے؟ اور جب تمہارے عزیز فرزند کے سر پر کوئی شفقت کے ساتھ ہاتھ رکھ دیتا ہے تو سچ بتاؤ تم اپنے قلب میں کیسی ٹھنڈک محسوس کرتے ہو، اسی طرح جب ہم اپنے جاہ و حشمت کے غرور، اپنی دولت و ثروت کے گھمنڈ میں خدا کے کسی ضعیف بندے کو تکلیف پہونچا دیتے ہیں، تو اسکی آنکھیں طلب رحم کی غرض سے ہماری طرف اُٹھتی ہیں، مگر ہم اپنی رعونت کے خمار میں، اسکی نگاہوں کا مطلب نہیں سمجھتے تو وہ مایوس ہو کر بلند ہوتی ہیں اور آسمان کے ساتوں پردے چیر کر بادشاہِ حقیقی کی بارگاہِ جبروت میں پہونچ جاتی ہیں، اور بغیر اس کے کہ زنجیرِ عدالت کی آواز بلند ہو، مستغیث کے لب حرکت کریں، اس کی قوتِ انتقام میں ایسا جوش پیدا ہوتا ہے کہ ہماری جاہ و حشمت، ہماری فرعونیت و نمرودیت ہمیشہ کے لئے فنا ہو کر رہ جاتی ہیں، لیکن جو خوش نصیب اپنے مال و زر سے اپنی قوت و دولت سے بیکسوں کی دستگیری، بیچاروں کی چارہ سازی کرتے ہیں، بھوکوں کا پیٹ بھرتے ہیں پیاسوں کی پیاس بجھاتے ہیں تو خدائے واحد و قدوس کا دریائے رحمت موجیں مارتا ہوا ان کی طرف بڑھتا ہے اور ان کو اس طرح اپنی گود میں لے لیتا ہے کہ زمانہ کی کوئی گرمی، دنیا کی کوئی حدت، عالم کی کوئی اذیت اُنھیں

گزند نہیں پہونچا سکتی۔

اختر بیکسوں پر رحم کرتا تھا، خجستہ یتیموں کی خدمت کرتی تھی پھر یہ "ہدیے" دربار خدا وندی میں کیوں قبول نہ ہوتے؟ کہ ان سے بہتر پیشکش بارگاہ قدس کے لئے کوئی اور نہیں ہو سکتی؟

دو سال ختم ہوتے ہی اختر تحصیلداری کے عہدے پر مامور ہوا اور گلبرگہ ہی میں اُسے تحصیلداری کی کرسی عطا ہوئی، تو تنخواہ سے پونے دو سو ہوئے، خجستہ نے اس شکریہ میں بیکس عورتوں کی امداد کو دوگنا کر دیا،

قمر کی عمر اب تعلیم کے قابل ہو گئی تھی، اسکے پڑھانے کے لئے شہر کے ایک فاضل مولوی مقرر ہوئے، جنھوں نے قمر کو ابجد اور حرف شناسی کی ابتدا کرائی،

دونوں یتیم بچے جو اب حامد و محمود سے موسوم تھے تعلیم کے میدان میں بڑھتے چلے جا رہے تھے اور اختر کی ترقی کے ساتھ ہی ان دونوں نے انگریزی مڈل کے امتحان پاس کئے، جس کے بعد ان کو عثمانیہ کالج میں داخل کرا دیا گیا۔ داخلہ کے دو ماہ بعد مہتمم صاحب کی عنایت سے ان دونوں کا بیس، بیس روپیہ وظیفہ مقرر ہو گیا! لیکن خجستہ کی غیرت نے اسے گوارا نہ کیا اور اسکے اصرار سے اختر نے مہتمم صاحب کو شکریہ

کے ساتھ اس عطیہ کی نامنظوری سے اطلاع دیدی۔ لڑکوں نے بھی اپنے مربی اور مجازی باپ کا ایما پاکر وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ ان دونوں کی تعلیم میں خجستہ پچاس روپیہ ماہوار صرف کرتی تھی۔ اور پہلی تاریخ کی صبحکو اسکا منی آرڈر روانہ ہو جاتا تھا۔ حامد و محمود خجستہ کو خالہ کہتے تھے لیکن خجستہ ہمیشہ ان کو اسی نظر سے دیکھتی تھی جس سے قمر کو،

ایک مرتبہ عید کے دن قمر، اختر کے ہمراہ بازار چلا گیا، اختر نے اسکی ضد سے اس کے لئے سیاہ پمپ خرید دیا جب قمر جوتہ لے کر گھر آیا، تو محمود جو ذرا کم عمر تھا قمر سے لڑنے لگا، اس نے کہا تمھیں یہ جوتا کس نے دیا، قمر نے جواب دیا، بھائی جان نے، محمود نے دوڑ کر اختر کا دامن پکڑ لیا اور رو کر کہا۔

"بھائی جان کیا تم ہمارے بھائی جان نہیں ہو"

اختر۔ کیوں؟

محمود، آپ نے قمر کو نیا جوتہ دیا ہمیں نہیں دیا، یہ آواز خجستہ کے کانوں میں بھی پڑ گئی وہ بے چین ہو کر آئی اور آتے ہی محمود کو گود میں اٹھا لیا، محمود نے طفلانہ لب و لہجہ میں کہا، خالہ اماں، بھائی جان کو ہم نے چھوڑ دیا وہ ہمارے لئے جوتہ نہیں لائے، ۔۔۔ ۔۔۔ خجستہ نے کہا بیٹا تمھارے لئے اس سے اچھا جوتہ آئیگا۔ یہ کہہ کر خجستہ نے قمر سے جوتہ

لے لیا اور اسوقت تک اس کو پہننے کی اجازت نہیں دی جب تک حامد و محمود کے لئے ویسے ہی جوتے نہ منگا دئے۔

اختر نے چاہا کہ سپاہی کے ساتھ دونوں کو بازار بھیجکر جوتے پہنا دے۔ مگر خجستہ نے کہا، آج اگر ان کے بھی باپ ہوتے تو کیا انگلی پکڑ کر ان کو بازار نہ لیجاتے اللہ نے ان کو تمہارے دامن کا سایہ عطا فرمایا ہے خدا کے لئے ان کو اپنی اولاد ہی سمجھو، یہ سنکر اختر خود دونوں کو لے کر بازار گیا، اور دونوں کو ویسے ہی جوتے پہنائے جیسا قمر کو پہنایا تھا۔

(۱۳)

دس سال کے بعد حامد و محمود نے اُردو یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم اے کی ڈگریاں حاصل کرلیں، جس کے ساتھ ہی دونوں گرانقدر مشاہرہ پر ریاست میں ملازم ہوگئے،

قمر کی تعلیم کا انداز کچھ عجیب رہا۔ اس نے پہلے دیوبند میں رہ کر مذہبیات پر عبور حاصل کیا، پھر علی گڑھ سے بی۔ اے کی ڈگری لی، اسکے بعد ڈاکٹری کی تحصیل کی، اور اب خاص حیدرآباد میں وہ اپنی خداداد حذاقت سے دردمندوں کی درمانگری کر رہا ہے اس کے

دو چھوٹے بھائی اسکے زیر سایہ نشو و نما پا رہے ہیں،
حامد و محمود کی شادیاں ہو چکی ہیں اور اب دونوں صاحب اولاد
ہیں، لیکن اختر اور خجستہ کو وہ نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں،
اختر و خجستہ بھی اپنے لگائے ہوئے پودوں کو بار آور دیکھ کر
حد درجہ خوش ہوتے ہیں،

اختر حال میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہے،
خجستہ ضعف پیری کے باعث چرخہ تو نہیں کاتتی مگر اسکی
ہمتیں پہلے سے زیادہ مصروف کار ہیں اور شہر کی اکثر بیوائیں اسکی
امداد سے اپنی زندگی فراغت و اطمینان سے بسر کر رہی ہیں،
علاوہ اُس ایثار کے جو اپنی ذات سے وہ بیوہ عورتوں پر کرتی ہے
ہماری... نے " انجمن اعانت بیوگان" کی باقاعدہ بنیاد ڈالدی ہے جسمیں
بہت سی خواتین شریک ہیں، اور جس سے ہزاروں بیوہ عورتوں کی
خبرگیری کیجاتی ہے۔ فقط

مرہم نزول

نزول الماء کیلئے نہایت مفید ہے، اسکے لگانیکے
بعد آپریشن کی ضرورت نہیں رہتی، جالہ، پھولہ، ڈھلکہ
دھند کیلئے بھی نہایت زود اثر اور مجرب ہے، قیمت فی ماشہ
(عہ)
دو روپیہ

ملنے کا پتہ

حکیم ڈاکٹر سید علی اکبر آزاد۔ دارالعلاج ہاشمی،
...لپور ضلع ... پی

۲۲ن ۸۹۱۵۲۳۳۴

(۲۷)

۳۲۹۷۰

Date	No.	Date	No.